فیصل آباد
پاکستان

ماہنامہ

صِلَّیَة

ربیع الاول ۱۴۳۰ھ بمطابق مارچ 2009ء

رئیس الاحرارؒ، علامہ اقبالؒ، قائداعظم محمد علی جناحؒ اور ردِ قادیانیت

زیر ادارت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ ملیہ فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

ربیع الاول ۱۴۳۰ھ جلد نمبر 5
مطابق
مارچ 2009ء شمارہ نمبر 3

فہرست مضامین

بیاد
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری

بفیض
حضرت سید نفیس الحسینی
رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر
جمیل الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر
جواد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 20 روپے پاکستان میں سالانہ 200 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
ماہنامہ ملیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن فیصل آباد
041-8711569

ناشر...... حبیب الرحمٰن لدھیانوی مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد
Decl No. 3483-85

آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن خلدون نے خوب فرمایا کہ مفتوح قومیں فاتح قوموں کا کلچر اختیار کر لیتی ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں اہل تثلیث نے صلیبی جنگوں کے ذریعے اپنے ناپاک اور منحوس قدموں سے عالم اسلام کی عظمت کو روند ڈالا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلسل داخلی اور خارجی کی یلغار سے مسلمانوں کا اسلامی مزاج کمزور ہوتا گیا۔ مسلمانوں نے جہاں دیگر امور میں عیسائیوں کی تقلید اور نقالی اختیار کی وہاں مفتوح قوموں کی طرح تہوار منانے میں ان کی نقل شروع کر دی۔ کرسمس، دیوالی کی طرح میلاد کے نام پر شور شرابے کا رواج پڑ گیا۔ دنیا پرست مذہبی ٹھیکیداروں نے اپنی جیب اور پیٹ کی خاطر کو خوب پروان چڑھایا۔ وفات رسول پر مدینہ تھا سوگوار.........ابلیس کے حواری خوشیاں منا رہے ہیں۔

والذین یکثرون اللعب واللھو کی حیا تک تصویر بنے ہوئے ہیں۔ اسی نقالی پر اقبال نے کچھ اس طرح اپنے افسوس کا اظہار کیا ہے۔

وضع میں تم نصاریٰ ہو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

نتیجہ یہ نکلا کہ ہم آج عملی طور پر دین سے دور زبانی عشق کے دعووں سے مگن ہو کر اپنی حیات مستعار کی باگ غیروں کے ہاتھ میں دے کر بھی بغلیں بجاتے نہیں تھکتے (وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون) آج ہماری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہمارے دشمن آٹے کے تھیلے اور دوائی کی شیشی پر غریب مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لئے ہمارے گلی محلوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ہم ہیں کہ حب نبی کے نام پر پیسہ لٹاتے ہوئے پلٹ کر یہ دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے کہ کتنے کلمہ گو ایسے ہیں جو اپنی روح اور جسم کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے ہماری مالی مدد کے منتظر ہیں؟ زندہ کے زندہ رہے۔ ہاتھوں میں سے جنت بھی نکل گئی۔ خلاصہ تحریر یہ ہے کہ ربیع الاول ہمیں صرف میلاد نہیں بلکہ آپ کی پوری زندگی اور موت کے تمام پہلوؤں کو شعبہ حیات میں لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اگر آج ہم نے ربیع الاول کی پکار پر توجہ نہ دی تو ڈریں اس بات سے کہ کل قیامت کے دن یہ ماہ مقدس ہمارے خلاف گواہ نہ بن جائے۔ اس لئے ہر فرد مسلم کی ذمہ داری ہے کہ

قوت عمل سے ہر پست کو بالا کر دے ---- دہر میں عشق محمد کا اجالا کر دے

کلمۃ الحبیب

خراج دہندہ ریاست

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

ہمارے حکمرانوں سے اچھا تو کسی بھنگی کا وہ بیٹا تھا جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے اپنے گاؤں کے چوہدری کے مرنے کے بعد اپنی ماں سے سوال کیا تھا کہ چوہدری کے مرنے کے بعد گاؤں کا نیا چوہدری کون ہوگا؟ اس کی ماں نے جواب دیا کہ اس مرنے والے چوہدری کا بیٹا، پھر بھنگی کے بیٹے نے ماں سے سوال کیا کہ اگر وہ بھی مرگیا تو اس کے بعد کون ہوگا؟ ماں نے کہا کہ اس کا بیٹا، بھنگی کا بیٹا پھر سوال کرنے لگا تو ماں نے اس سے پہلے ہی واضح الفاظ میں کہا کہ بیٹا! چاہے سارا گاؤں مرجائے پھر بھی ہم میں سے کوئی چوہدری نہیں بن سکتا۔

اس سے ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ بھنگی کے بیٹے کے دل میں کم ازکم چوہدری بننے کی خواہش تو تھی۔ ہمارے ہاں تو یہ بھی نہیں ہے۔ جب سے یہ ملک معرض وجود میں آیا ہے ہم لوگ تو غلامی سے بھی کئی درجے نیچے کی نہ صرف خواہش کررہے ہیں بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دن رات تن، من، دھن سے لگے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے ملک کو بنانے اور چلانے والا وہی طبقہ ہے جس نے ہمیشہ غیر کی غلامی کا کلمہ پڑھا اور پڑھایا ہے۔

جب تک بش امریکہ کا صدر رہا، ہم اس کے سامنے ایڑیاں رگڑتے رہے، پھر جب اوباما منظر عام پر آیا تو ہم اس کے نام کے ساتھ "حسین" کا لاحقہ دیکھ کر خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے۔ جب اس نے حلف اٹھالیا تو اس نے وہ کچھ کرنے کا نہ صرف اعلان کیا بلکہ ڈرون طیاروں سے حملہ کرکے اس کا عملی ثبوت پیش کردیا۔ بلکہ اب تو ہر دوسرے تیسرے دن ہمارے علاقے پر حملہ کرکے ہمیں ہماری غلامی کو یاد کراتا رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکہ کے نائب صدر بائیڈن، وزیر دفاع اور دوسرے

عہدیداروں نے علی الاعلان پاکستان کو نہ صرف ہدف تنقید بنایا بلکہ اس کو دہشت گردوں کا مرکز بھی قرار دیکر اس پر حملے جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کر دیا۔ اب ہمارے حکمران منتیں، سماجتیں اور ترلے کرتے پھرتے ہیں کہ ایسا نہ کرو، ورنہ ہمارا کچھ نہ رہے گا۔

یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ ہم نے فرماں برداری کی ہر حد کو پار کر لیا ہے۔ اس لیے ہمارے غیر ملکی آقا کو معلوم ہے کہ جو سبق میں نے ان کو پڑھا دیا ہے وہ بھولنے والے نہیں۔

اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

چنانچہ ہمارا آقا ہمارے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جس کے ہم مستحق ہیں۔ ہمارے آقا کی طرف سے جس طرح کا دباؤ ہم پر ڈالا جا رہا ہے ہم اسے بڑی خوشی سے اپنے سر لے رہے ہیں۔ مگر امریکہ ہے کہ ہم پر پھر بھی یقین کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس کے باوجود ہم انہیں تمغوں سے نوازتے ہیں۔ ہمیں اسی لیے انگریز کی چنگل سے امریکہ نے آزادی دلائی تھی۔

ہمارے وزیر اعظم صاحب نے امریکہ کے دورے کے وقت فرمایا تھا کہ "امریکہ نے برصغیر کی تحریک آزادی میں مدد کی تھی" اس پر ہم بے چارے ملاں ان تاریخی باتوں پر کیا کہہ سکتے ہیں، اگر یہ بات ملاں کہہ دے تو یہ کہہ کر چپ کرا دیا جاتا ہے کہ ملاں تو پاکستان کے مخالف تھے" جب یہ بات ہمارے وزیر اعظم نے کہی تھی تو اس پر بہت سے مخلص حضرات سیخ پا ہو رہے تھے جن کو تاریخ کا علم نہیں ہے یا پھر وہ لوگ جو کہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں اور اپنے کیے ہوئے کے نتائج ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

یہ بات کسی حد تک صحیح ہے کہ امریکہ نے برطانیہ سمیت تمام سامراجی طاقتوں سے ان کی نو آبادیوں کو ان سے نجات دلانے کے لیے دباؤ ڈالا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ امریکہ بذات خود کافی عرصہ تک برطانیہ کے زیر تسلط رہا ہے۔

کہتے ہیں کہ برطانیہ کے کولمبس نامی ایک شخص نے امریکہ کو دریافت کیا تھا، نکلا تو وہ سونے کی چڑیا ہندوستان کی تلاش میں تھا مگر اس کی بادبانی کشتی ہوا کے دباؤ کی وجہ سے امریکہ کے ساحل سے جا لگی، یہ آج سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال پرانی بات ہے۔ برطانیہ نے امریکہ کو اپنی نو آبادی بنایا سننے میں آیا ہے کہ برطانیہ میں اگر کوئی گھناؤنا جرم کرتا تو اس کو سزا کے طور پر دیس نکالا دے کر امریکہ بھیج دیا جاتا۔ یہ برطانیہ کے سزا یافتہ لوگوں کا کالا پانی تھا۔ جس طرح ہندوستان میں سلطنت برطانیہ

کے باغیوں کو جزائر انڈمان (جو کہ کالا پانی کے نام سے مشہور ہے) میں بھیج دیا جاتا تھا۔ برطانیہ سے نکالے گئے لوگوں نے امریکہ میں متحد ہو کر آزادی کے لئے تحریک چلائی، چنانچہ انہوں نے تقریباً اڑھائی سو سال قبل ۴ جولائی (سن مجھے یاد نہیں) برطانیہ سے آزادی حاصل کی۔

دوسری وجہ یہ کہ امریکہ بذات خود برطانیہ کی جگہ لینا چاہتا تھا اور عالمی سطح پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ضروری سمجھا کہ جہاں بھی برطانیہ سے آزادی کی تحریک چل رہی ہے اس کا ساتھ دیا جائے۔ برصغیر میں آزادی کی تحریک اندرون خانہ ضرور چل رہی تھی مگر اس میں نقطۂ عروج ۱۸۵۷ء میں آیا۔ جس میں ہندوستان کی تمام قوم نے مسلح صورت میں برطانوی کمپنی کی حکومت سے ٹکرائیں، مگر اس میں مسلح جدوجہد کرنے والے ناکام ہوئے۔ اس کے بعد پھر سیاسی سطح پر کام شروع کیا گیا، مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہوئیں، انہوں نے اپنے طریقہ سے کام شروع کیا۔ دوسری طرف ایک ایسا طبقہ وہ بھی تھا جو کہ اسلحہ کے زور پر ہی برطانوی استعمار کو نکالنا چاہتا تھا۔ اس نے نہ صرف اندرون ہند مسلح کارروائیاں کیں بلکہ ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں چلے گئے۔ ۱۹۱۳ء کے بعد انہی لوگوں نے ایک بار پھر صف بندی شروع کر دی۔ یہ محض ایسے افراد نہیں تھے جو قید یا پھانسی سے ڈر کے بھاگے ہوں۔ ان میں زیادہ تر افراد ایسے تھے کہ جنہیں ایک منصوبے کے تحت امریکہ، روس، ترکی، ایران، کابل، مشرق وسطیٰ یا جنوبی مشرق ایشیاء میں بھیجا گیا تھا تاکہ وہاں جا کر ہندوستان کی آزادی کا پرچار کر سکیں، نیز انقلابی سرگرمیوں کو بڑھانے کے لئے اسلحہ اور روپیہ فراہم کر سکیں۔ جہاں جہاں وہ گئے انہوں نے وہاں کی آزادی پسند تحریکات کی ہمدردی بھی حاصل کی۔

چنانچہ منصوبے کے مطابق بغداد، استنبول، ایران، کابل میں جا کر انہوں نے ہندوستانی فوجی دستوں اور ہندوستانی جنگی قیدیوں پر کام کیا۔ اسی طرح مولانا عبید اللہ سندھیؒ کابل گئے جہاں انہوں نے ہندوستان کی عارضی حکومت بھی قائم کی، اسی ضمن میں وہ روس بھی گئے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ تحریک ریشمی رومال کے ایک اہم رکن تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے معتبر ساتھی تھے۔

اسی دوران کئی انقلابی امریکہ بھی پہنچ گئے۔ ان سے پہلے بھی امریکہ میں جو کہ مغربی ساحل پر آباد تھے، انقلاب کا پرچار کر رہے تھے۔ امریکہ میں داخلے کے قانون کی سختیوں کی وجہ سے ان میں کمی آ گئی تھی۔ یہاں پر ان انقلابیوں نے غدر پارٹی قائم کر لی۔ غدر پارٹی کی وجہ تسمیہ "غدر" نامی ایک ہفتہ

- -

وار اخبار تھا" جس کی اشاعت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جس کو انگریز پرست غدر کہتے تھے" کی یادگار کے طور پر نومبر ۱۹۱۳ء میں شروع کی۔ اس کے مقاصد میں ہندوستان کے نوجوانوں کو انگریز کا، افسروں کو قتل کرنا، انقلابی اور سامراج دشمن تصانیف کی اشاعت اور اسلحہ کی فراہمی تھے۔ سان فرانسسکو (کیلیفورنیا) میں اس کا مرکزی دفتر تھا، اور تمام امریکی ساحلی علاقوں نیز مشرق بعید میں اس کی شاخیں قائم ہوگئیں تھیں۔ اس تحریک کا مقصد تمام برطانوی نوآبادیات میں بیک وقت بغاوت کرانا تھا۔

اس زمانے میں ہفتہ وار "غدر" میں ایک اشتہار اس عنوان اور الفاظ سے شائع ہوا:

ہندوستان میں غدر کے لئے بہادر سپاہیوں کی ضرورت ہے

تنخواہ......................موت

قیمت......................شہادت

پنشن......................آزادی

میدان......................ہندوستان

اس اشتہار کے شائع ہونے سے ہندوستان کی انگریز حکومت کے سامنے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا نقشہ پھر آگیا۔ انگریز حکومت نے امریکہ سے تو کچھ نہیں کہا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ اس کے پیچھے امریکی حکومت کا ہاتھ ہے جبھی اخبار میں ایسا اشتہار شائع ہوا ہے۔ البتہ انگریز حکومت نے امریکہ سے آنے والے جہازوں کے ذریعہ اسلحہ لانے لے جانے پر امریکی حکومت کو راضی کر لیا۔ جس کی وجہ سے وقتی طور پر انقلابیوں کے پروگرام میں رکاوٹ پیدا ہوگئی۔

۱۹۱۴ء کے بعد برطانوی استعمار کی گرفت اپنی نوآبادیوں پر سے ڈھیلی ہونی شروع ہوگئی تو دوسری طرف امریکہ نے ان نوآبادیوں کو آزاد کرانے کی آڑ میں اپنے پرپرزے پھیلانے شروع کر دیئے۔ خصوصاً ۱۹۱۷ء میں روس میں کمیونسٹ انقلاب کے آنے کے بعد اس میں تیزی آنا شروع ہوگئی۔ امریکہ اور برطانیہ دونوں کو معلوم تھا کہ اگر روس گرم ساحلوں پر آ گیا تو ہمیں تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ ہندوستان کا محل وقوع ایسا ہے کہ مشرق بعید کو بحر ہند سے ہی سارے راستے ہو کر جاتے ہیں۔ اس لئے اس پر اجارہ داری قائم رکھنا بہت ضروری تھا۔ اس لئے امریکہ نے برصغیر کی آزادی میں بہت کوشش کی۔ برطانیہ بھی اپنی جگہ پر امریکہ ہی کو بٹھانا چاہتا تھا۔ مگر متحدہ ہندوستان میں

یہ ممکن نہیں تھا۔ صرف ہندوستان کی تقسیم ہی سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا تھا۔

اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہیں گے البتہ آج سے اسٹھ سال قبل کی گئی ایک پیش گوئی کو یہاں ضرور ذکر کریں گی۔ مارچ ۱۹۴۷ء دارالعلوم دیو بند میں ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کر رہے تھے۔ اس میں تقریر کرتے ہوئے مجلس احرار اسلام کے بانی رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے فرمایا۔

"انگریز ہندوستان سے جا رہا ہے مگر اس طور پر کہ ہندوستان کو ٹکڑے اور مسلمان قوم کو تقسیم کر کے۔ تمہیں معلوم ہے کیوں؟ میں تم کو بتاتا ہوں۔ تاریخ اٹھا کر دیکھو، ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں مسلمان قوم کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ سب سے زیادہ مشکلات مسلمان قوم نے اٹھائیں۔ سب سے زیادہ مار مسلمانوں نے کھائی۔ سب سے زیادہ نقصان مسلمان قوم کا ہوا۔ وہ اس لیے کہ انگریز نے مسلمان قوم سے اقتدار چھینا تھا۔ قدرتی طور پر شدید رد عمل مسلمان قوم ہی کی طرف سے ہوا۔ ہندو تو ایک ہزار سال سے مسلمانوں کا محکوم تھا۔ اگر وہ مسلمانوں کی حکمرانی سے نکل کر انگریز کی حکمرانی میں آ گیا تھا تو اس پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ محکوموں پر حاکم بدل جانے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ حاکم قومیں غلامی برداشت نہیں کر سکتیں۔ مسلمان ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ انگریز کو یہ ڈر ہے کہ مسلمان متحدہ قوت قوم کہیں پھر سے مجتمع ہو کر قوت نہ پکڑ لیں۔ اس لیے مسلمان کو تین جگہ پر تقسیم کیا جا رہا ہے۔

یاد رکھو! پاکستان انگریز کی چنگل سے نکل کر امریکہ کی چنگل میں چلا جائے گا۔ اس کے فیصلے امریکہ میں ہوا کریں گے۔ پاکستان انگریز اور امریکہ کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کی سرحدیں افغانستان کے ساتھ روس سے ملتی ہیں۔ روس میں سوشلسٹوں کی حکمرانی ہے۔ نیز روس بذات خود ایک عالمی طاقت کی شکل میں ابھر رہا ہے۔ کانگریس میں جواہر لال نہرو سمیت کئی لیڈر سوشلسٹ نظریات رکھتے ہیں۔ امریکہ کو خطرہ تھا کہ اگر ہندوستان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا تو ہندوستان کی سوشلسٹ حکومت روس کے ساتھ مل کر ایک زبردست بلاک بنا لے گی۔ جس کی وجہ سے ایشیا میں امریکہ کا داخلہ بند ہو سکتا ہے۔ اس لئے

ضروری تھا کہ ہندوستان اور روس کے درمیان ایک ایسی ریاست قائم کر دی جائے کہ جس کی وجہ سے یہ دونوں ملک آپس میں مل کر کوئی مضبوط محاذ نہ بنا سکیں۔ پاکستان کی ضرورت صرف اتنی سی ہے۔ جب تک پاکستان امریکہ کی یہ ضرورت پوری کرتا رہے گا قائم رہے گا۔ پاکستان کی بقا کا دارومدار مکمل طور پر صرف امریکہ کی خوشنودی پر ہے" میری دعا ہے کہ پاکستان تا قیامت قائم رہے۔ وہ اسلئے کہ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی آخری پناہ گاہ ہے خدا نخواستہ اگر اس پناہ گاہ کو کچھ ہو گیا تو برصغیر کے مسلمانوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔

رئیس الاحرارؒ نے یہ باتیں مفروضے کی بنیاد پر نہیں کہی تھیں۔ بلکہ اس کے پیچھے ان کا چالیس سالہ سیاسی تجربہ اور تجزیہ تھا۔ انہوں نے آزادی کی خاطر تین سال جیل کی کال کوٹھریوں میں گذارے تھے۔ انہوں نے بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح سے لیکر موہن داس کرم چند گاندھی تک ہر چھوٹے بڑے مسلم اور غیر مسلم لیڈر کو بڑے قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا۔ نہ صرف ان لیڈروں کو دیکھا اور پرکھا بلکہ وہ تمام لیڈر بھی رئیس الاحرارؒ کی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بانی پاکستان قائد اعظم پاکستان مسٹر محمد علی جناح نے رئیس الاحرارؒ کو ایک دفعہ کندھے سے پکڑ کر کہا تھا کہ "آپ میرا ساتھ دیں پھر دیکھیں میں کیا کر گذرتا ہوں"۔ رئیس الاحرارؒ نے مسٹر جناح سے کہا کہ "سیاست میں کسی پر سو فیصد (سو فیصد) یقین کرنا سیاسی عدم تدبر کا ثبوت ہے، آپ ساتھ نہیں نبھا سکیں گے"۔ نیز یہ بھی فرمایا تمہارے ساتھ جو لوگ ہیں ان کے ہوتے ہوئے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسی طرح رئیس الاحرارؒ جب پانچ سالہ قید سے رہا ہو کر شملہ کانفرنس میں شرکت کے لئے شملہ پہنچے تو انہوں نے ایک جگہ دیکھا کہ قائد اعظم پاکستان مسٹر محمد علی جناح اور گاندھی جی ایک گوشے میں ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے کچھ راز و نیاز کر رہے ہیں۔ رئیس الاحرارؒ اس طرف گئے تو دونوں ایک دم چونک گئے ہو گئے۔ گاندھی جی نے مسکراتے ہوئے رئیس الاحرارؒ سے پوچھا کہ مولوی جی کیا سمجھے؟ رئیس الاحرارؒ نے فوراً کہا "دو کامیاب ہم وطن وکیل ملک کو تقسیم کرنے کی سازش کر رہے ہیں" گاندھی نے کہا کہ مولوی جی یہ آپ کیسے سمجھے؟ تو فرمایا کہ آپ دونوں وکیل ہیں، وکیلوں کا موضوع عدالتوں میں حقوق کے نام پر تقسیم ہی ہے۔ (یہ یاد رہے کہ گاندھی اور جناح وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے ایک ہی صوبہ گجرات کے رہنے والے تھے)۔

امریکہ کو واقعی برصغیر کی آزادی سے دلچسپی تھی۔ سنتے آئے ہیں اور کہیں پڑھا بھی ہے کہ برصغیر کو آزاد کرنے کا منصوبہ ۳ جون ۱۹۴۸ء یا بعض روایات کے مطابق اکتوبر ۱۹۴۸ء کو تھا، مگر یہ ایک سال پہلے ہی آزاد کر دیا گیا۔ کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ امریکی مداخلت پر ہوا، جیسا کہ ممتاز صحافی حمید اختر جو کہ پاکستان کے ایک بڑے روزنامہ "امروز" کے بڑی دیر تک ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں، لکھتے ہیں:

> ایک اور امر کی وضاحت کرنا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارے عزیز ہارون الرشید وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے امریکہ میں دیئے گئے اس بیان پر معترض ہیں کہ "امریکہ نے برصغیر کی تحریک آزادی میں مدد دی تھی"۔ حالانکہ وزیر اعظم نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ یہ حقیقت ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ سمیت تمام سامراجی طاقتوں کی نوآبادیوں کو آزادی دلانے میں امریکہ کا ہاتھ رہا ہے۔ امریکہ ہندوستان کی آزادی کی حمایت نہ کرتا تو بھارت کی آزادی جس کی ایک "کراری" پاکستان کا قیام تھا، کئی برس تک مؤخر ہو جاتی۔ (بحوالہ روزنامہ ایکسپریس، لاہور، ۳۱ جولائی ۲۰۰۸ء)

چنانچہ رئیس الاحرار کی دیوبند میں تقریر والی باتیں آہستہ آہستہ حقیقت کا روپ دھارنے لگیں۔

مثلاً: ایم ایس وینکٹ رامنی (M.S,VERKATARMANI) اپنی کتاب "پاکستان میں امریکہ کا کردار" (The AmeriacaN Role In Pakistan) میں قائد اعظم اور مستقبل قریب میں نومولود مملکت کو درپیش مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "قیام پاکستان سے ٹھیک ڈھائی ماہ قبل یکم مئی 1947ء کو قائد اعظم نے بمبئی میں اپنی رہائش گاہ پر دو امریکن سفارت کاروں ریمنڈ (RAYMOND) اور تھامس (THOMAS) سے ملاقات کی۔ امریکی سفارت کاروں کو یقین دلایا گیا کہ آزاد اور خود مختار پاکستان امریکہ کے مفاد میں ہوگا۔ 2 جولائی 1947ء کو قائد اعظم نے امریکی سفارت کار ریمنڈ سے دوبارہ ملاقات کی اور زور دیا کہ امریکہ پاکستان سے سفارتی تعلقات قائم کرے۔ ابتدائی دنوں میں پاکستان کو امداد کیلئے زور ڈالتے رہے۔

امریکہ کی اصل ضرورت پاکستان نہیں تھا بلکہ پاکستان کے ذریعہ روسی امپائر کو ختم کرنا تھا اس کے لئے اس کو اس خطے میں ایک مضبوط فوج کی ضرورت تھی۔ چونکہ امریکہ کو جنوبی ایشیا میں کمیونزم کا مقابلہ کرنے کیلئے ایک لڑاکا فوج کی ضرورت تھی۔ اس کے پاس پاک فوج کو مضبوط بنانے اور اسے

اسلحہ سے لیس کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ دوسری طرف ہمارے حکمران وہ بن گئے جو کہ امریکہ کی خوشنودی کے علاوہ کچھ نہیں سوچتے تھے۔

چنانچہ برصغیر تقسیم کی صورت میں آزاد ہوگیا۔ اس کے بعد پاکستان کے بانیوں اور اس کے چلانے والوں کا طرز کیا رہا؟ یہ محل نظر ہے۔ پڑھئے اس کے بعد ہمارے معصوم حکمرانوں کا جو طرز رہا ہے اس پر ہمیں دکھ نہیں ہوگا۔

معروف مصنف ڈینس ککس (Dennis Kux) اپنی کتاب "امریکہ اور پاکستان" میں لکھتے ہیں کہ پاکستانی حکمرانوں کو امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کئی جتن کرنا پڑتے ہیں۔ وزیراعظم لیاقت علی خان امریکی سفارت خانہ کے سٹاف کو اپنے گھر دعوتوں پر بلاتے تھے۔ رات گئے تک ان کی تواضع کرتے اور ان کا موسیقی سے دل بہلانے کیلئے خود ڈرم تک بجانے لگتے۔

کہا جاتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ ہماری خودمختاری اس وقت ہی امریکہ کے ہاں گروی رکھی گئی جب ہمارے رہنماؤں نے 2 بلین ڈالر کی معاشی امداد کیلئے درخواست کی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ امریکہ واحد ملک تھا جس نے سب سے پہلے آزادی کی تقریبات میں سرکاری وفد بھیجا جبکہ روس کی طرف سے مبارکباد بھی موصول نہیں ہوئی۔

ابتدائی مشکلات سے "نجات" حاصل کرنے اور کاروبار حکومت کو مستحکم کرنے کیلئے بعد ازاں امریکہ کو "نجات دہندہ" ہی تصور کرلیا گیا۔ گورنر جنرل غلام محمد، وزیراعظم محمد علی اور حسین شہید سہروردی امریکہ نواز خارجہ پالیسی پر گامزن رہے۔ صدر ایوب خان نے پاک امریکہ "پریم کہانی" کو ترقی دے کر "امر پریم" کا روپ دے دیا۔ ایوب خان مدت سے اپنے ملک پر حکمرانی کرنے کی پلاننگ کئے ہوئے تھے (Kux) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ستمبر 53ء میں جنرل ایوب خان نے امریکہ کا دورہ کیا اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اہلکاروں سے کہا "میں پاک فوج کو آپ کی فوج بنا سکتا ہوں اگر آپ مناسب مالی امداد کیلئے راضی ہو جائیں"۔ جنرل یحیٰی خان نے امریکی صدر نکسن کے سلامتی کے مشیر ہنری کسنجر کو پراسرار طریقے سے چین بھجوا کر چینی وزیراعظم چو این لائی سے ملوایا۔ یہ امریکہ کا چین سے پہلا رابطہ تھا۔ امریکی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی طویل "رومانوی داستان" میں ایوب اور یحیٰی کو بالآخر مایوسی ہوئی۔ ایک نے علیحدگی کے بیج بوئے اور دوسرے نے مشرقی پاکستان کھو دیا۔

آپ اس بات پر غور کریں کہ اس دور میں ہندوستان سے پاکستان کی جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان میں امریکہ نے پاکستان کا ساتھ نہیں دیا۔ آج ہر لکھنے والا اگر یہ سوال کرتا ہے کہ کیا ہم امریکہ کی ریاست ہیں؟ تو اس کے جواب میں ہاں ہی ہوتی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ امریکی ریاست کا بھی ایک مقام ہے۔ وہاں کے شہری کو وہ حقوق حاصل ہیں جو دنیا کے کسی بھی شہری کو نہیں۔ ہمیں امریکی لوگ اپنی ریاست نہیں سمجھتے بلکہ وہ ہمیں اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ امریکی ریاست کے کسی بھی شہری کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جاتا جو کہ ہمارے ملک کی بڑی سے بڑی شخصیت کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ہمارے ملک کے بننے کے بعد اس کے بانی اور گورنر جنرل محمد علی جناح کے حکم کا حال یہ تھا کہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جب بھارتی فوجیں کشمیر میں داخل ہوئیں تو اس وقت کے ہماری فوج کے چیف آف آرمی سٹاف "جنرل سر ڈگلس گریسی" (جو کہ انگریز تھا) کو بانی پاکستان، قائد اعظم پاکستان اور گورنر جنرل پاکستان مسٹر محمد علی جناح نے کشمیر پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا تو اس نے بانی پاکستان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا گیا تھا، اور نئی دہلی میں فیلڈ مارشل مرکلاڈ او کنلیک کو مطلع کر دیا۔ جو اگلی صبح بنفس نفیس لاہور آئے، اور او کنلیک نے دھمکی دی کہ گورنر جنرل پاکستان محمد علی جناح کے حکم پر اگر عمل کیا گیا تو اس کے خوفناک نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ جن میں ایک یہ بھی ہوگا کہ برطانیہ پاکستان کے فوج کو تربیت نہیں دے گا جس کی وجہ سے کوئی دوسرا ملک جب چاہے گا اس پر قبضہ کر لے گا۔ اس کا اشارہ ہندوستان کی طرف تھا۔

جس وقت مشرقی پاکستان کو علیحدہ کر کے بنگلہ دیش بنایا جا رہا تھا اس وقت بھی امریکی بحری بیڑے میں جنبش تک نہ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کبھی امریکہ نے پاکستان کو فوجی امداد دی تو اس میں شرط یہی تھی کہ یہ امداد ہندوستان کے خلاف استعمال نہیں کی جائے گی۔

مگر ۱۹۷۹ء میں جب روس نے افغانستان میں قدم رکھے اور اس کے جواب میں وہاں کے علماء نے اس کے خلاف میدان جنگ میں قدم بڑھایا تو امریکہ کو اپنے من کی مراد پوری ہوتی ہوئی نظر آئی۔ چنانچہ اس نے افغانستان کی مذہبی اور دینی قوتوں کا بھرپور ساتھ دیا اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی فوج کو استعمال کیا جس کے لئے وہ عرصہ سے منتظر تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ پاکستان نے 61 سالہ تاریخ میں امریکہ کے عالمی مفادات کا دفاع کیا۔ جہاد کے نام پر افغانستان میں روس کے خلاف امریکہ کی پراکسی وار لڑی اور امریکہ کو دنیا کی واحد سپر طاقت کا سٹیٹس دلایا۔

اس میں سب سے زیادہ کردار ان سورماؤں کا تھا جو کہ اسلام کے نام پر جہاد کا راستہ اختیار کرتے ہوئے گھروں سے سروں پر کفن باندھ کر نکلے اور پھر لوٹ کر واپس نہیں آئے۔ یہ پاکستان کا ایک دفاع بھی تھا اس کے لئے پاکستان کی فوج نے جو لیڈ کردار ادا کیا اس کا بھی جواب نہیں۔ خاص کر آئی۔ایس۔آئی۔ نے جس طرح سے مخالف قوت کو ناکوں چنے چبوائے اسکی مثال بھی دینا مشکل ہے۔ آج وہی آئی۔ایس۔آئی۔ امریکہ کے لئے ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ آج امریکہ اسی افغانستان میں براجمان ہے اور وہ اپنے اس مقصد میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا جو نیو ورلڈ آرڈر کا حصہ ہے۔ امریکہ کو امید تھی کہ اس موقع پر بھی پاکستان کو فوج اور آئی۔ایس۔آئی اسی طرح سے اس کا ساتھ دیگی۔ قسمت کی بات یہ کہ اب امریکہ کی لڑائی ان لوگوں سے ہے جو کہ گذشتہ اٹھائیس سال سے حالت جنگ میں ہیں۔ جن کی اولادیں بم دھماکوں، جنگی جہازوں کی گڑگڑاہٹ، توپوں کے اگلتے ہوئے شعلوں میں پیدا ہوئیں اور انہی میں پل کر جوان ہوئیں۔ ان کے ذہنوں میں موت کے خوف اور ڈر کا دور دور تک نشان نہیں ہے۔ امریکہ ان پر آسمان سے آگ اور بارود کی بارش برسانے کے بعد اب جب زمین پر اترا ہے تو اس کو ایسی مزاحمت کا سامنا ہے جو کہ اس کے حاشیہ خیال میں نہیں تھا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ آئی۔ایس۔آئی۔ پھر اسی طرح اس کا ساتھ دے جیسا کہ روس کے خلاف جنگ میں دیا تھا۔ اس لئے امریکہ یہ پوچھ رہا ہے کہ آئی۔ایس۔آئی۔ کس کے کنٹرول میں ہے؟ نیز وہ بلا کسی ہچکچاہٹ روزانہ حملے کر رہا ہے۔ قبائلی علاقوں میں ہماری فوج ان لوگوں سے نبرد آزما ہے جو کہ پاکستان کے ہمیشہ وفادار رہے۔ آج وہ لوگ کیوں اپنی ہی فوج کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ آپس میں بیٹھ کر صلح کیوں نہیں کر لیتے؟۔ اس لیے کہ جب بھی صلح کی بات ہوتی ہے تو ہمارا آقا آڑے آ جاتا ہے۔ جیسا کہ آجکل ایک نئے معاہدے کا چرچا ہے جو کہ سوات میں ہوا ہے کہ اس کے مطابق وہاں پر شرعی نظام عدل نافذ ہوگا۔ اس پر امریکہ، اقوام متحدہ، نیٹو اور دوسری طاقتوں کی طرف سے اس کی مخالفت کی جا رہی ہے کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ اگر معاہدے کے مطابق عمل کر لیا گیا تو امن قائم ہو جائے گا۔ اگر امن ہو گیا تو امن کے نام پر اسلحہ کا کاروبار کون چلائے گا۔ امن کے نام پر بے گناہوں کا خون کیسے بہے گا۔ امن کے نام پر کانفرنسیں کیسے منعقد کی جائیں گی۔ تو گویا کہ ہم سے مزید خراج مانگا جا رہا ہے۔ کیا ہم میں اس قسم کے مزید خراج دینے کی ہمت ہے؟۔

رئیس الاحرارؒ، علامہ اقبالؒ، قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور ردّ قادیانیت

مکاتیب رئیس الاحرارؒ کے آئینے میں

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

گزشتہ سال ماہ ربیع الاول میں "رئیس الاحرارؒ، علامہ اقبالؒ اور ردّ قادیانیت" کے عنوان کے ساتھ ہم نے ایک طویل تحریر قارئین کی نذر کی تھی۔ جس کی تکمیل اگرچہ ابھی تک نہیں ہوئی مگر اس کے بعد اس موضوع پر ہم جو کوشش کر رہے ہیں اس میں سے کچھ مزید قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

بانیٔ احرار، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ ایک طویل عرصہ تک ہندوستان کے مذہبی اور سیاسی افق پر ایک قائد کی حیثیت سے چھائے رہے۔ ان کے ہم عصروں نے ان کی قائدانہ صلاحیتوں کے لوہے کو مانا۔ ہندوستان میں مجلس احرار اسلام مسلمانوں کی ایک تیج سیاسی جماعت بن کر ابھری تھی۔ رئیس الاحرارؒ نے مجلس احرار کو مسلمانوں کی سیاسی جماعت ہونے کے باوجود اس کے مذہبی رنگ کو کبھی پھیکا پڑنے نہیں دیا۔ اگرچہ وہ ہندوستان میں تمام مسلمان اور غیر مسلم سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر آزادی کے لیے جدوجہد کرنے کے پرزور حامی تھے، مگر دینی معاملات میں کبھی بھی انہوں نے اپنی جماعت احرار کی طرف سے مصلحت کوشی نہیں دکھائی۔

علامہ اقبال مرحوم کو انہوں نے قادیانیت کے فریب سے نہ صرف بچایا بلکہ اقبال مرحوم کو قادیانیت کے خلاف سینہ سپر بھی کر دیا۔ اقبالؒ سے قادیانیت کے خلاف بیان دلوا کر ان لوگوں کے منہ بند کر دیے جو کہ قادیانیت کو صرف مولویوں کا فرقہ وارانہ مسئلہ قرار دیتے تھے۔ جواہر لال نہرو نے جب قادیانیت کی حمایت میں بیانات دینے شروع کیے تو رئیس الاحرار ہی تھے جنہوں نے اقبال کو جا کر جھنجھوڑا، اور پھر اقبال کو اس بات پر قائل کیا کہ وہ خود میدان میں آئیں، چنانچہ اقبال مرحوم باقاعدہ میدان میں اترے۔ اس کی تفصیل ہم گزشتہ سال کے ماہ ربیع الاول کے شمارے میں بیان کر چکے ہیں۔

علامہ اقبال نے رئیس الاحرارؒ کے کہنے پر اخبار میں قادیانیت کے خلاف جو مضمون لکھا تھا

وہ اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ اور پھر بعد میں وہ کئی کتابوں اور پمفلٹوں میں بھی شائع ہوا۔ ہم وہ یہاں پر نقل کرتے ہیں:

قادیانی اور جمہور مسلمان

ہندوستان کی سرزمین پر بے شمار مذاہب بستے ہیں۔ اسلام دینی حیثیت سے ان تمام مذاہب کی نسبت گہرا ہے، کیونکہ ان مذاہب کی بنا کچھ حد تک مذہبی ہے اور ایک حد تک نسلی۔ اسلام نسلی تخیل کی سراسر نفی کرتا ہے اور اپنی بنیاد محض مذہبی تخیل پر رکھتا ہے۔ اور چونکہ اس کی بنیاد صرف دینی ہے اس لئے وہ سراپا روحانیت ہے اور خونی رشتوں سے کہیں زیادہ لطیف بھی ہے۔ اسی لئے مسلمان ان تحریکوں کے معاملہ میں زیادہ حساس ہے جو اس کی وحدت کے لئے خطرناک ہیں۔ چنانچہ ہر ایسی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بنا نئی نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لئے ایک خطرہ سمجھے گا اور یہ اس لئے کہ اسلامی وحدت ختم نبوۃ سے ہی استوار ہوتی ہے۔

انسان کی تمدنی تاریخ میں غالباً ختم نبوۃ کا تخیل سب سے انوکھا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ مغربی اور وسط ایشیا کے موبدانہ تمدن کی تاریخ کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ موبدانہ تمدن میں زرتشتی، یہودی، نصرانی اور صابی تمام مذاہب شامل ہیں۔ ان تمام مذاہب میں نبوۃ کے اجرا کا تخیل نہایت لازم تھا۔ چنانچہ ان پر مستقل انتظار کی کیفیت رہتی تھی۔ غالباً یہ انتظار نفسیاتی حظ کا باعث تھی۔ عہد جدید کا انسان روحانی طور پر موبد سے بہت زیادہ آزاد منش ہے۔ موبدانہ رویہ کا نتیجہ یہ تھا کہ پرانی جماعتیں ختم ہوتی اور ان کی جگہ مذہبی عیارتی جماعتیں لا کھڑی کرتے۔ اسلام کی جدید دنیا میں جاہل اور جوشیلے ملا نے پریس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قبل اسلامی نظریات کو بیسویں صدی میں رائج کرنا چاہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اسلام جو تمام جماعتوں کو ایک رسی میں پرونے کا دعویٰ رکھتا ہے ایسی تحریک کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھ سکتا۔ جو اس کی موجودہ وحدت کے لئے خطرہ ہو اور مستقبل میں انسانی سوسائٹی کے لئے مزید افتراق کا باعث بنے۔ اس سے قبل اسلامی موبدیت نے حال ہی میں جن دو صورتوں میں جنم لیا ہے میرے نزدیک ان میں بہائیت، قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے۔

لیکن موثر انداز کر اسلام کی چند نہایت اہم صورتوں کو ظاہری طور پر قائم رکھتی ہے لیکن باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کے لیے مہلک ہے اس کا حاسد خدا کا تصور کہ جس کے پاس دشمنوں کے لئے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہوں، اس کا نبی کے متعلق نجومی کا تخیل اور اس کا روح مسیح کے تسلسل وغیرہ کا عقیدہ یہ تمام چیزیں اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہے گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے۔ روح مسیح کا تسلسل یہودی باطنیت کا جز ہے۔

پولی مسیح بال شیم BAL SHEM کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر بوبر کہتا ہے۔

"مسیح کی روح پیغمبروں اور صالح آدمیوں کے واسطے زمین پر اتری"

اسلامی ایران میں موبدانہ اثر کے ماتحت ملحدانہ تحریکیں اٹھیں۔ اور انہوں نے بروز، حلول، ظل وغیرہ اصطلاحات وضع کیں۔ تاکہ تناسخ کے اس تصور کو چھپا سکیں۔ ان اصطلاحات کا وضع کرنا اس لئے ضروری تھا کہ وہ مسلم کے قلوب کو ناگوار نہ گزریں حتی کہ مسیح موعود کی اصطلاح بھی اسلامی نہیں۔ بلکہ اجنبی ہے۔ اور اس کا آغاز بھی اسی موبدانہ تصور میں ملتا ہے۔ یہ اصطلاح ہمیں اسلام کے دور اول کی تاریخی اور مذہبی ادب میں نہیں ملتی۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو پروفیسر ونسک نے اپنی کتاب موسومہ "احادیث میں ربط" میں نمایاں کیا ہے۔ یہ کتاب احادیث کے گیارہ مجموعوں اور اسلام کے تین اولین تاریخی شواہد پر حاوی ہے۔ اور یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ اسلام نے اس اصطلاح کو کیوں استعمال نہ کیا؟ یہ اصطلاح انہیں غالباً اس لئے ناگوار تھی کہ اس سے تاریخی عمل کا غلط نظریہ قائم ہوتا تھا۔ مجوسی ذہن وقت مدور حرکت تصور کرتا تھا۔ صحیح تاریخی عمل کو بحیثیت ایک تخلیقی حرکت کے ظاہر کرنے کی سعادت عظیم مسلمان مفکر اور مورخ یعنی ابن خلدون کے حصہ میں تھی۔ ہندی مسلمانوں نے قادیانی تحریک کے خلاف جس شدت احساس کا ثبوت دیا ہے۔ وہ جدید اجتماعیات کے طالب علم کے لئے بالکل واضح ہے عام مسلمان جسے پچھلے دن سول اینڈ ملٹری گزٹ میں ایک صاحب نے ملا زدہ کا خطاب دیا تھا۔ اس تحریک کے مقابلہ میں حفظ نفس کا ثبوت دے رہا ہے۔ اگرچہ اسے ختم نبوت کے عقیدہ کی پوری سمجھ نہیں۔ نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ختم نبوت کے تمدنی پہلو پر کبھی غور نہیں کیا۔ اور مغربیت کی ہوا نے اسے حفظ نفس کے جذبہ سے بھی عاری کر دیا ہے۔ بعض ایسے ہی نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے

اپنے مسلمان بھائیوں کو رواداری کا مشورہ دیا ہے۔ اگر سر ہربرٹ ایمرسن مسلمانوں کو رواداری کا مشورہ دیں تو میں انہیں معذور سمجھتا ہوں کیونکہ موجودہ زمانے کے ایک فرنگی کے لئے جس نے بالکل مختلف تمدن میں پرورش پائی ہو اس کے لئے اتنی گہری نظر پیدا کرنی دشوار ہے، کہ وہ ایک مختلف تمدن رکھنے والی جماعت کے اہم مسائل کو سمجھ سکے۔

ہندوستان میں حالات بہت غیر معمولی ہیں۔ اس ملک کی بیشمار مذہبی جماعتوں کی بقا اپنے استحکام کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ جو مغربی قوم یہاں حکمران ہے۔ اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں، کہ مذہب کے معاملہ میں عدم مداخلت سے کام لے۔ اس پالیسی نے ہندوستان ایسے ملک پر بدقسمتی سے بہت برا اثر ڈالا ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ مسلم جماعت کا استحکام اس سے کہیں کم ہے، جتنا حضرت مسیح کے زمانہ میں یہودی جماعت کا رومن کے ماتحت تھا۔ ہندوستان میں کوئی مذہبی سٹہ باز اپنی اغراض کے ماتحت ایک نئی جماعت کھڑی کر سکتا ہے اور یہ لبرل حکومت اصل جماعت کی وحدت کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتی۔ بشرطیکہ یہ مدعی اسے اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلادے۔ اور اس کے پیرو حکومت کے محصول ادا کرتے رہیں۔ اسلام کے حق میں اس پالیسی کا مطلب ہمارے شاعر عظیم اکبر نے اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔ جب اس نے اپنے مزاحیہ انداز میں کہا ہے۔

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

میں قدامت پسند ہندوؤں کے اس مطالبہ کے لئے پوری ہمدردی رکھتا ہوں، جو انہوں نے نئے دستور میں مذہبی مصلحین کے خلاف پیش کی ہے یقیناً یہ مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔ جو ہندوؤں کے برعکس اپنے اجتماعی نظام میں نسلی تخیل کو دخل نہیں دیتے۔

حکومت کو موجودہ صورت حالات پر غور کرنا چاہیے اور اس اہم معاملہ میں جو قومی وحدت کے لئے اشد اہم ہے۔ عام مسلمان کی ذہنیت کا اندازہ لگانا چاہیے۔ اگر کسی قوم کی وحدت خطرے میں ہو تو اس کے سوا چارہ کار نہیں رہتا کہ وہ معاندانہ قوتوں کے خلاف اپنی مدافعت کرے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدافعت کا کیا طریقہ ہے؟ اور وہ طریقہ یہی ہے کہ اصل جماعت جس شخص کو تلعب بالدین کرتے پائے۔ اس کے دعاوی کو تحریر و تقریر کے ذریعہ سے جھٹلایا جائے۔ پھر کیا یہ مناسب ہے کہ اصل جماعت

کو رواداری کی تلقین کی جائے۔ حالانکہ اس کی وحدت خطرہ میں ہو اور باقی گروہ کو تبلیغ کی پوری اجازت ہو۔ اگرچہ وہ تبلیغ جھوٹ اور دشنام سے لبریز ہو۔ اگر کوئی گروہ جو اصل جماعت کے نقطۂ نظر سے باغی ہے۔ حکومت کے لئے مفید ہے تو حکومت اس کی خدمات کی صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے۔ دوسری جماعتوں کو اس سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ توقع رکھنی بیکار ہے کہ خود جماعت ایسی قوتوں کو نظر انداز کر دے، جو اس کے اجتماعی وجود کے لئے خطرہ ہیں۔ اس مقام پر یہ دہرانے کی غالباً ضرورت نہیں کہ مسلمانوں کے بے شمار مذہبی فرقوں کے مذہبی تنازعوں کا ان بنیادی مسائل پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ جن مسائل پر سب فرقے متفق ہیں۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے پر الحاد کا فتویٰ ہی دیتے ہیں۔ ایک اور چیز بھی حکومت کی خاص توجہ کی محتاج ہے۔ ہندوستان میں مذہبی مدعیوں کی حوصلہ افزائی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ لوگ مذہب سے عموماً بیزار ہونے لگتے ہیں اور بالآخر مذہب کے اہم عنصر کو ہی اپنی زندگی سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ ہندوستانی دماغ ایسی صورت میں مذہب کی جگہ کوئی اور بدل پیدا کرے گا جس کی شکل روس کی دہری مادیت سے ملتی جلتی ہوگی۔ (حرف اقبال ۱۲۱ تا ۱۲۷)

حکومت قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرے!

علامہ اقبالؒ کے اس مضمون پر اخبار سٹیٹسمین نے ایک تنقیدی اداریہ لکھا تھا اس کے جواب میں اقبالؒ نے یہ مضمون لکھا۔

میرے بیان مطبوعہ ۱۴ مئی پر آپ نے تنقیدی اداریہ لکھا۔ اس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں جو سوال آپ نے اپنے مضمون میں اٹھایا ہے۔ وہ فی الواقعہ بہت اہم ہے۔ اور مجھے مسرت ہے۔ کہ آپ نے اس سوال کی اہمیت کو محسوس کیا۔ میں نے اپنے بیان میں اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ قادیانیوں کی تفریق کی پالیسی کے پیش نظر جو انہوں نے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں ایک نئی نبوت کا اعلان کر کے اختیار کی ہے۔ خود حکومت کا فرض ہے کہ وہ قادیانیوں اور مسلمانوں کے بنیادی اختلافات کا لحاظ رکھتے ہوئے آئینی قدم اٹھائے۔ اور اس کا انتظار نہ کرے کہ مسلمان کب مطالبہ کرتے ہیں۔ اور مجھے اس احساس میں حکومت کے سکھوں کے متعلق رویہ سے بھی تقویت ملی۔ سکھ 1919ء تک آئینی طور پر علیحدہ سیاسی جماعت تصور نہیں کئے جاتے تھے۔ لیکن اس کے بعد ایک علیحدہ جماعت تسلیم کر لئے گئے حالانکہ انہوں نے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ لاہور ہائیکورٹ نے فیصلہ کیا تھا کہ سکھ ہندو ہیں۔

اب چونکہ آپ نے یہ سوال پیدا کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ اس مسئلہ کے متعلق جو برطانوی اور مسلم دونوں کے زاویہ نگاہ سے نہایت اہم ہے۔ چند معروضات پیش کروں۔ آپ چاہتے ہیں کہ

میں واضح کروں۔ کہ حکومت جب کسی جماعت کے مذہبی اختلافات کو تسلیم کرتی ہے۔ تو میں اسے کس
حد تک گوارا کر سکتا ہوں۔ سو عرض ہے۔ کہ:

اولاً:۔ اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں۔ یعنی وحدت الوہیت پر
ایمان۔ انبیاء پر ایمان۔ اور رسول کریم ﷺ کی ختم رسالت پر ایمان۔ دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت
ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے۔ اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ
ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں۔ مثلاً برہمو خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ اور رسول کریم ﷺ کو خدا کا
پیغمبر مانتے ہیں۔ لیکن انہیں ملت اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے
ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت کو نہیں مانتے۔ یہاں تک مجھے
معلوم ہے۔ کوئی اسلامی فرقہ اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ایران میں "بہائیوں"
نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت
ہیں۔ اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے۔ کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے
ظاہر ہوا۔ لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔ میری
رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں۔ یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں۔ یا پھر ختم نبوت کی
تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں۔ ان کی جدید تاویلیں محض
اس غرض سے ہیں۔ کہ ان کا شمار حلقہ اسلام میں ہو۔ تا کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ جائیں۔

ثانیاً:۔ ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں
کرنا چاہئے۔ بانی تحریک نے ملت اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی۔ اور اپنی جماعت کو
تازہ دودھ سے۔ اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔
علاوہ بریں ان کا دین کے بنیادی اصولوں سے انکار، اپنی جماعت کا نیا نام (احمدی) مسلمانوں کی قیام
نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ
اعلان کہ تمام دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں۔ جیسے سکھ ہندوؤں
سے۔ کیونکہ سکھ ہندو مندروں میں پوجا نہیں کرتے۔

ثالثاً:۔ اس امر کو سمجھنے کے لئے کسی خاص ذہانت یا غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ جب
قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ پھر وہ سیاسی طور پر
مسلمانوں میں شامل رہنے کے لئے کیوں مضطرب ہیں۔

علاوہ سرکاری ملازمتوں کے فوائد کے ان کی موجودہ آبادی جو ۵۶۰۰۰ (چھپن ہزار) ہے۔
انہیں کسی اسمبلی میں ایک نشست بھی نہیں مل سکتی۔ یہ واقعہ اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ قادیانیوں نے اپنی
جداگانہ سیاسی حیثیت کا مطالبہ نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مجالس قانون ساز میں ان کی نمائندگی

نہیں ہو سکتی۔ نئے دستور میں ایسی اقلیتوں کے تحفظ کا علیحدہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔

ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق ہے۔ کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا۔ کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ ابھی اس قابل نہیں۔ کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکے۔ حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبہ کا انتظار نہ کیا۔ اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبے کے لئے کیوں انتظار کر رہی ہے؟

(حرف اقبال ص ۱۳۰ تا ص ۱۳۸، بحوالہ اخبار سٹیٹسمین)

مجلس اتحاد ملت کا قیام و کردار

جیسا کہ ہم نے گذشتہ سال لکھا تھا کہ مجلس اتحاد ملت، مجلس احرار اسلام کے مقابلے میں بنائی گئی تھی۔ مولانا ظفر علی خان اس کے بانی مبانی تھے۔ مولانا ظفر علی خان پہلے مجلس احرار اسلام کے روح رواں تھے۔ اس کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ خصوصاً قادیانیت کے مسئلہ میں مجلس احرار اسلام کی شانہ بشانہ تھے۔ مگر ان میں ایک کمزوری تھی۔ وہ یہ کہ وہ عہدے حاصل کرنے کے بڑے شوقین تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے مجلس احرار اسلام کی قیادت ان کے ہاتھ میں آجائے۔ ان کے مزاج میں قرار نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ چونکہ ان کے مزاج میں تلون تھا اس لیے مجلس احرار کے زعماء ان کو کوئی ایسا منصب نہیں دینا چاہتے تھے جس کی وجہ سے مجلس احرار کو کسی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔ مفکر احرار چوہدری افضل حق مرحوم نے اپنی کتاب "تاریخ احرار" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "مولانا ظفر علی خان کو منہ سے مار کر آگے نکلنے کی عادت تھی"۔ مولانا ظفر علی خان مجلس احرار سے اس وقت دور ہونا شروع ہوئے جب ۱۹۳۴ء میں قادیان کانفرنس میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے ان کو کانفرنس کی صدارت کرنے سے صاف روک دیا۔ اس کے متعلق مرزا غلام نبی جانباز نے یوں تحریر کیا ہے

خلافت تحریک کے دنوں میں امیر شریعت صرف "زمیندار" اخبار پڑھا کرتے تھے اور اسی سے متاثر ہو کر وہ سیاسی میدان میں آئے۔ اس تعلق سے امیر شریعت کے دل میں مولانا ظفر علی خاں کے لئے بے پناہ احترام تھا پھر دونوں ایک ہی ڈگر پر چلنے لگے۔ جیل

خانوں کی اکثر راتیں مشترک گزریں۔ اسی محبت اور تعلق کی بناء پر ۱۹۳۳ء کو جب قادیان میں احرار کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا تو امیر شریعت نے اس کی صدارت کے لئے مولانا ظفر علی خان کا نام پیش کیا۔ لیکن مولانا حبیب الرحمن کی رائے تھی کہ اس کی صدارت امیر شریعت کریں، اس پر خاصی تکرار رہی۔ آخر مولانا حبیب الرحمن نے لدھیانہ سے امیر شریعت کے نام پیغام بھیجا کہ:

”میرا حکم ہے کہ قادیان کانفرنس کی صدارت آپ کریں، بس!“

اس حکم پر سر تسلیم خم کر دیا گیا۔ تاریخ کا یہی وہ موڑ ہے، جہاں مولانا ظفر علی خان مجلس احرار سے علیحدہ ہو گئے۔ (حیات امیر شریعت صفحہ ۲۱۸، ۲۱۹، مؤلف جانباز مرزا)

مولانا ظفر علی خان اس کے بعد مجلس احرار اسلام کی تخریب میں لگ گئے۔ مجلس احرار اسلام کے مقابلہ میں مجلس اتحاد ملت بنائی، امیر شریعت کے مقابلہ میں امیر ملت بنایا۔ پھر سر فضل حسین کے ساتھ مل کر مسجد شہید گنج کا ملبہ مجلس احرار اسلام پر گرا دیا۔ جس میں قادیانیوں کا خلیفہ بشیر الدین بھی شامل تھا۔ اس کے بعد سر فضل حسین سے مل کر مجلس احرار کی حیثیت ختم کرنے کے لیے چوٹی کا زور لگا دیا۔

مولانا ظفر علی خان اگرچہ قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے تھے اس معاملے انہوں نے کبھی لچک نہیں دکھائی مگر ان کے نزدیک سیاست، جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۳۶ء میں جب مجلس احرار، مسلم لیگ اور مجلس اتحاد ملت کا مشترکہ اتحاد ”مسلم پارلیمنٹری بورڈ“ کے نام سے وجود میں آیا تو مولانا ظفر علی خان مجلس احرار کا پلہ بھاری ہوتا دیکھ کر اس پارلیمنٹری بورڈ سے علیحدہ ہو کر یونینسٹ پارٹی کے ساتھ مل گئے۔ جس میں قادیانی گروہ بھی شامل تھا۔

انہی ایام میں جیسا کہ جناب عاشق حسین بٹالوی صاحب نے اپنی کتاب ”اقبال کے آخری دو سال“ میں تحریر کیا ہے کہ سر میاں فضل حسین بحالی صحت کے لئے ڈلہوزی تشریف لے گئے تھے اور یہاں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ مولانا ظفر علی خان مرحوم انہی دنوں سر فضل حسین مرحوم کے بلاوے پر ڈلہوزی گئے تھے جس سے مسلم لیگی حلقوں کو حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ چنانچہ علامہ اقبال نے ”ایک شاعر“ کے قلمی نام سے روزنامہ ”احسان“ لاہور کی ۲۲ مئی ۱۹۳۶ء کی اشاعت میں لکھا۔

''کم نوی''

سوئے کہسار وز گیا مولوی
بڑے بوڑھے نے جب کہا کم نوی
کوئی مفتی شہر سے پوچھتا
یہ کفر خفی ہے کہ شرک جلی
مراد و را اسعد کبیر یا ولی
کہ ملکش قدیم ست و ز آتش قوی
مگر سادگی سے سمجھا یہ ظفر
کہ نوشیدنی ہے بنانے کی نی

اور جیسا کہ ''الجمعیۃ'' دہلی کے سیاسی مبصر نے ۱۳ مئی ۱۹۳۶ء کو لکھا تھا کہ ''اگرچہ سر فضل حسین نے مسٹر جناح کو صاف جواب دے دیا ہے لیکن انہوں نے مرزا بشیر محمود کو اپنی امداد کے لئے بلایا ہے چنانچہ قادیانی جماعت نے مسلمانوں کی تنظیم جدید کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے اور مسٹر جناح پر لفظی حملے کئے جا رہے ہیں''۔

جماعت احمدیہ اور سر فضل حسین مرحوم کے مابین اس گٹھ جوڑ کی وجہ محض یہی تھی کہ سر فضل حسین نے قادیان کو اپنی مجوزہ حلقہ انتخاب میں شامل کر لیا تھا جس پر علامہ اقبال نے پھر ''مکس شاعر'' کے نام سے لکھا۔

سامنے دونوں کے ہے دین و سیاست کی بساط
لائے ہیں دونوں کھلاڑی اپنی اپنی گوٹیں
لطف ہائے فرنگی سے ہے دونوں کی کشور
یہی وہ نقطہ ہے جس سے نہیں ہو پاتا ہے یقین
افتخار ملت بیضا ہے دونوں کی غرض
حجت کیوں نہ ہوں محمود اور فضل حسین
لذت حرکت سے گو محروم ہیں دونوں مگر

کچھ انگلش میں روا ہے اقتضائے سوگئیں
یہ ہوائے قادیان تھی یا ہوائے کوہسار
بجھ گئی افسوس بچارے ظفر کی لالٹین
اب حریم قادیان میں ہے بٹالہ بھی شریک
لازم آیا مولوی پر سجدہ سوئے بٹالیں

پنجاب کی مسلم سیاسیات کا یہ وہ مختصر دور تھا جب مرزا بشیر الدین محمود، سر فضل حسین اور مولانا ظفر علی خان اکٹھے تھے اور اس اتحاد "ثلاثہ" پر علامہ اقبال نے پھر "ایک شاعر" کے نام سے لکھا۔ یہ نظم روزنامہ "احسان" ۲۴ جون ۱۹۳۶ء میں "لا الہ لا فرنگی" کے نام سے شائع ہوئی تھی۔

ہو گئی ہے مادیان قادیاں اس پہ سوار
اب کہاں ہے وہ سوار مادیان قادیاں
الحذر، کیوں اس قدر اس کی اشاعت میں ہوا
بھیجی بھیجی نے اڑا لی ارمغان قادیاں
لو فرنگی کی وفاداری سے باز آیا پھر
کس قدر بدلے زمین و آسمان قادیاں
خیر اب پنجاب کی مجھ کو نظر آتی نہیں
ہے بٹالے کے گلے میں ریسمان قادیاں
اس قدر پنجاب میں بام وزارت ہے بلند
چور چڑھتے ہیں لگا کر نردبان قادیاں
لاہو سے روٹھے گئے پنڈت کے استقبال کو
دیکھ کس روزن سے نکلا ہے رزان قادیاں
فیصل کور و طواف شملہ و منع جہاد
خود غلام احمد نے سمجھا چیستان قادیاں
لا الہ لا فرنگی کلمہ دیں بروز

افرنگی　　　ذکر　　　آواز　　　اذان　　　قادیان

اس ضمن میں علامہ اقبال کی ایک شاعر کے قلمی نام سے اور بھی نظمیں ریکارڈ پر موجود ہیں جن کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے نام رئیس الاحرارؒ کا خط

۱۹۳۷ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء کا ایک وفد رئیس الاحرارؒ سے دہلی میں ملا۔ جس نے اس بات کی شکایت کی کہ علی گڑھ یونیورسٹی میں قادیانیوں کی ریشہ دوانیاں بڑھ گئیں ہیں۔ یہ صرف اس لیے ہو رہا ہے کہ یونیورسٹی میں قادیانی بڑی تعداد میں طلباء کی شکل میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور اس کی سرپرستی یونیورسٹی کے وائس چانسلر مسٹر ضیاء الدین کر رہے ہیں۔ نیز یونیورسٹی کی انتظامیہ میں بھی قادیانی داخل ہیں۔ اس پر رئیس الاحرارؒ نے علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو ایک خط لکھا، وہ یہ ہے۔

۱۰ اپریل ۱۹۳۷ء

محترم ضیاء الدین صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

السلام علیکم۔ میرے پاس آپ کی یونیورسٹی کے کچھ طلباء آئے تھے جنہوں نے اس بات کی شکایت کی ہے مسلم یونیورسٹی میں قادیانی طلباء کثیر تعداد میں داخل کیے جا رہے ہیں۔ اس میں آپ خصوصی دلچسپی لے رہے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ قادیانی امت مسلمہ کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں۔ میرے محترم علی گڑھ کا یہ تعلیمی ادارہ مسلم یونیورسٹی کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں غیر مسلموں کو داخل کرنا اور وہ بھی ایسے غیر مسلم جو کہ اسلام سے غداری کے مرتکب ہوئے ہوں، اور اسلام کی جڑیں کاٹنے میں مشغول ہوں، اس ادارے کی امتیازی حیثیت کو داغدار بنانے کی کوشش ہے۔ ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ کھلے طور پر اسلام مخالف ہیں، وہ اتنے خطرناک نہیں جتنے کہ قادیانی ہیں۔ آپ کی اس روش سے کتنے ہی مسلمان نوجوان گمراہ ہو جائیں گے۔ نیز یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ یہ قادیانی ٹولہ یونیورسٹی کے معاملے میں دخل اندازی بھی کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں میری آپ سے گذارش ہے کہ یونیورسٹی کے وقار اور اس کی امتیازی حیثیت کو باقی رکھنے کے لیے آپ ایسے اقدامات سے پرہیز کریں۔ اور اگر ممکن ہو سکے تو

- -

ان قادیانی طلبا کو یونیورسٹی سے خارج کریں۔

میرے پاس یونیورسٹی کے جو طلبا آتے ہیں وہ انتہائی غصہ میں ہیں۔ میں نے اس وقت تو ان کو سمجھا دیا ہے، اگر آپ نے اس روش کو نہ بدلا تو یہ معاملہ میرے ہاتھ سے بھی نکل جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کا یہ تعلیمی ادارہ کسی بھی قسم کی انتشار کا شکار ہو۔

والسلام۔ حبیب الرحمٰن لدھیانوی، صدر مجلس احرار اسلام ہند۔ بلیماراں، دہلی

جواب

رئیس الاحرار کے خط کا وائس چانسلر نے یہ جواب دیا۔

۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء

مولانا مکرم

آداب و نیاز۔ آپ کا خط ملا، جس میں مجھ پر سب سے بڑا اور برا یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ میں اس یونیورسٹی میں قادیانیوں کے داخل کرنے کا باعث ہوا ہوں۔ اور میری کوشش سے قادیانی اس ادارہ کے کورٹ میں بطور اراکین کے منتخب ہوئے ہیں۔

میرے قابل احترام مولانا صاحب! واقعہ یہ ہے کہ اس ادارہ میں قادیانی عقائد اور قادیانی اراکین میرے وائس چانسلر منتخب ہونے سے بہت پہلے آچکے ہیں۔ سر ظفر اللہ خان کو ہز ہائی نس نواب آف بھوپال نے اپنی چانسلری کے زمانے میں منتخب کیا تھا۔ اسی طرح نواب حیدرآباد دکن نے مرزا بشیر الدین محمود کو اس ادارہ کے لیے منتخب کیا تھا۔ لہٰذا میرا دامن ان الزامات سے پاک ہے۔ میں بذات خود ان سے نالاں ہوں۔

البتہ اگر آپ کی ذات اس سلسلہ میں سعی فرمائیگی تو میرا بھی تعاون آپ کے ساتھ ہوگا۔ میں ایک بیان پریس کو بھی جاری کر رہا ہوں، تاکہ اس سلسلہ میں لوگوں کو جو غلط فہمی ہوگئی ہے وہ دور ہو جائے۔

زیادہ آداب۔ ضیاء الدین، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

چنانچہ حسب وعدہ جناب ضیاء الدین صاحب، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے

اخبارات میں اسی مضمون کا ایک بیان جاری کیا۔ جو کہ رئیس الاحرارؒ کے نام خط میں ہے

بانیٔ پاکستان اور رئیس الاحرارؒ میں مکاتبت

۱۹۳۶ء میں بانیٔ پاکستان قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح مرحوم نے سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند کو پیغام بھیجا کہ جمعیۃ علماء ہند اور مجلس احرار اسلام کو چاہیے کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ مولانا احمد سعیدؒ نے ایک خط کے ذریعہ رئیس الاحرار کو مطلع کیا۔

سحبان الہندؒ بنام رئیس الاحرارؒ

بازار بلیماران، دہلی۔ ۱۰ مارچ ۱۹۳۶ء

محترم و مکرم جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب

السلام علیکم۔ امید ہے کہ جناب کے مزاج بخیر ہوں گے۔ دو دن پہلے جب میں صوبہ بہار کے دورے سے واپس آیا تو مسٹر جناح کا ایک خاص آدمی میرے پاس جناح صاحب کا یہ پیغام لایا کہ ”جمعیۃ علماء ہند اور مجلس احرار کو چاہیے کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں“ اس سلسلہ میں مجھے اور آپ کو مسٹر جناح نے ملاقات کی دعوت دی ہے۔

اگر آپ ملاقات کرنا مناسب خیال فرمائیں تو اس سے پہلے آپس میں مشورہ کرنا ضروری ہے۔ میری کوشش تھی کہ میں بذات خود آپ کے پاس حاضر ہوں، مگر میری مصروفیات آپ کو معلوم ہی ہیں۔ دو دن قبل میں بہار سے آیا ہوں، اور کل لکھنؤ جانے کا پروگرام ہے۔ اس لیے میں خط کے ذریعہ ہی آپ سے مشورہ کر رہا ہوں۔

آپ کی ذات متفکر علماء اور سیاست دانوں میں سے ہے۔ مجلس احرار کے صدر ہونے کے ناتے آپ ہی کا نام احرار ہے۔ اس سلسلے میں آپ سے بہتر کوئی نہیں سوچ سکتا۔ باقی آپ اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمالیں۔

میں ابھی تک اس سلسلہ میں کشمکش میں مبتلا ہوں۔ اس لیے کہ اس سے پہلے مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد کے جو تجربات ہوئے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں کہ اب کوئی نیا تجربہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں اگر ہم کچھ وقت نکال کر مل بیٹھیں اور مشورے کے ساتھ کوئی لائحہ عمل اختیار کریں تو بہتر ہوگا۔ والسلام

جواب کا منتظر فقیر احمد سعید۔ کان اللہ لہ

جواب

لدھیانہ۔ ۲۰ مارچ ۱۹۳۶ء

بخدمت حضرت مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علمائے ہند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا خط ملا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مسٹر جناح ہم سے کوئی ایسا کام لینا چاہتے ہوں جس میں ان کو کوئی مشکل پیش آ رہی ہو۔ میرا تجربہ تو یہی ہے کہ جب مسٹر جناح کا کوئی کام اٹک جاتا ہے تو وہ مسلم نمائندہ جماعتوں کی طرف لپکتے ہیں۔ اور جب کام نکل جاتا ہے تو وہ یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتے ہیں کہ میرے ساتھی نہیں مانتے۔ جس کا مظاہرہ ۳۴ء میں ہو چکا ہے۔ میرا پروگرام لاہور جانے کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اقبال سے بھی مشورہ لیا جا سکتا ہے۔ پھر کوئی لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ باقی باتیں ملاقات پر ہوں گی۔

والسلام۔ حبیب الرحمٰن لدھیانوی

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اس پر علامہ اقبال سے مشورہ کر کے مسٹر جناح کو یہ خط لکھا۔ جو کہ اس خط کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

رئیس الاحرار بنام قائد اعظم پاکستان مرحوم

لدھیانہ۔ ۲۷ مارچ ۱۹۳۶ء

محترم و مکرم جناب محمد علی جناح صاحب، صدر آل انڈیا مسلم لیگ

السلام علیکم! مولانا احمد سعید ناظم جمعیۃ علماء کے خط کے ذریعہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد پھر اس ضرورت کو محسوس کیا ہے کہ جمعیۃ علماء اور مجلس احرار، مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کریں۔

اگر یہ صحیح ہے تو آپ کی یہ خواہش یقیناً قابل قدر ہے۔ کیا میں اس بات پر یقین کروں کہ ۱۹۳۴ء والا واقعہ پھر نہیں دہرایا جائے گا؟۔

اس واقعے کے منفی اثرات کا آپ کو علم ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ

مجلس احرار، اور جمعیۃ علماء میں سے کوئی جماعت بھی ایسی نہیں ہے جو کہ مسلمانوں میں باہمی اتحاد کا احساس نہ کرتی ہو، بالخصوص ایسے زمانے میں جب کہ اس باہمی اتحاد پر آئندہ مسلمانوں کی باعزت زندگی کا دارومدار ہو۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ جب اس قسم کی دعوت دیتے ہیں تو اس میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ نہیں کرتے جو کہ بعد میں آپ کی خفت کا باعث ہوتا ہے اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میری رائے تو یہی ہے مگر میرے ساتھی نہیں مانتے۔ میں اور مولانا احمد سعید آپ کو اس سے پیشتر بھی سیالکوٹ کی ایک تقریر پر مطلع کر چکے ہیں۔ آپ تمام مسلمانوں کو تو لیگ کے پرچم کے زیر سایہ بلاتے ہیں، لیکن جماعتوں کو دعوت دینے کا یہ طریقہ یقیناً غیر ذمہ دارانہ ہے۔ اگر آپ فی الواقع یہ چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان باہمی مل کر مستقبل کے لئے کوئی روش مقرر کریں تو آپ کا فرض ہے کہ آپ سب سے پہلے اپنی جماعت مسلم لیگ کے ذمہ داروں سے مشورہ کریں، تا کہ بعد میں آپ کو پشیمانی نہ ہو، اس کے بعد آپ ایک آل پارٹیز کانفرنس منعقد کریں۔ اس میں صرف جمعیۃ علماء اور مجلس احرار ہی نہ ہوں بلکہ تمام مسلم جماعتوں کے مخصوص نمائندوں کو ایک مشترکہ اجتماع کی غرض سے جمع کریں اور اس اجتماع میں مسلم لیگ کے بھی مخصوص نمائندے جمع ہوں اور باہم تبادلہ خیالات سے ایک مشترکہ اور متفقہ روش عمل مقرر کریں اور ان اختلافی امور پر غور کریں جن کی وجہ سے مسلمانوں کی آزادی پسند جماعتیں اس وقت تک مسلم لیگ سے علیحدہ رہی ہیں یا شریک ہو کر علیحدہ ہو گئیں۔

مگر شرط یہ ہے کہ قادیانی جماعت کا کوئی نمائندہ اس میں شامل نہ ہو۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی کوئی ذمہ دار جماعت قادیانیوں کو مسلمان تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ نیز ان کی ریشہ دوانیوں سے اتفاق کی بجائے انتشار پھیلتا ہے۔ جس کا مظاہرہ ۱۹۳۶ء میں ''مسلم پارلیمنٹری بورڈ'' کے قیام کے وقت ہو چکا ہے۔ قادیانی کسی بھی جماعت کے ساتھ مخلص نہیں، چاہے وہ کانگریس ہو یا مسلم لیگ۔ وہ اپنے باطل مذہب کو پھیلانے کے لیے ہر سیاسی جماعت سے سیاسی فائدہ اٹھانے میں لگے ہوئے ہیں۔

۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر اقبال نے جب میرے کہنے پر قادیانیوں کے خلاف مضامین

لکھے تو قادیانیوں نے اس کے جواب کے لیے جواہر لال نہرو کا سہارا لیا۔ میرے زور دینے پر جواہر لال نہرو خاموش ہو گئے، مگر پھر بھی قادیانی باز نہیں آئے۔ ۱۹۳۶ء میں جواہر لال نہرو جب لاہور آئے تو قادیانیوں نے بڑھ چڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت مسلم لیگ کی مجلس احرار سے اتحاد کی بات چل رہی تھی، اس سلسلے میں آپ کی ہمارے ساتھ دو ملاقاتیں بھی ہو چکی تھیں۔

میں یہ خط ڈاکٹر اقبال سے مشورے کے بعد لکھ رہا ہوں۔ اگر آپ میری رائے سے متفق ہوں اور اس قسم کے اتحاد کی دعوت دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مسلم جماعتیں جن کو آپ نے تعاون کی دعوت دی ہے، باہم متفق ہو کر مسلم لیگ سے تبادلہ خیالات نہ کریں اور کسی مفید نتیجے تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوں۔ میرے نزدیک یہ طریقہ بہت غیر ذمہ دارانہ بلکہ غیر جمہوری ہے کہ آپ اپنی طے شدہ پالیسی کو قبول کرنے کی دعوت دیں جس سے ملک کا ایک بہت بڑا اور معقول طبقہ متفق نہ ہو۔ بلکہ آپ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو باہمی مشورہ سے پالیسی طے کرنے کی دعوت دیجیے تاکہ یہ سمجھا جائے کہ آپ غیر لیگی مسلمانوں کی رائے کو بھی سننے اور اس پر غور کرنے کو تیار ہیں اور آپ کی یہ خواہش ہے کہ تمام مسلمانوں کی متفقہ رائے سے مسلم قوم کے مفاد کی کوئی راہ تلاش کی جائے۔ میں آپ سے توقع کرتا ہوں کہ آپ میرے عریضہ پر خاص توجہ فرمائیں گے۔ میں آپ کے امید افزا جواب کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کے مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔

آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں آپ کو یہ خط لدھیانہ جیل سے لکھ رہا ہوں۔ گورنمنٹ نے مجھے اور میرے بیٹے عزیز الرحمٰن کو گذشتہ دنوں دفعہ ۱۵۳، ۱۲۴ (تعزیرات ہند) کے تحت گرفتار کر لیا ہے۔ جس میں تین الزام عائد کیے گئے ہیں۔ (۱) فوج میں بغاوت (۲) ملک کے خلاف بغاوت (۳) حکومت وقت کے خلاف بغاوت۔ ہم نے ضمانت کے لیے درخواست دے رکھی ہے، امید قوی ہے کہ ضمانت ہو جائے گی۔ رہائی کے بعد میں اور مولانا احمد سعید اس سلسلہ میں آپ سے ملاقات کی کوشش

کریں گے۔

فقط۔ والسلام۔ اسیر فرنگ، حبیب الرحمن لدھیانوی، صدر مجلس احرار اسلام ہند

اسی دوران اسیری میں مسٹر جناح کی طرف سے جواب آ گیا۔ جو کہ رئیس الاحرار کے بیٹے مولانا خلیل الرحمن نے رئیس الاحرار کو جیل میں پہنچایا۔ وہ جواب یہ ہے۔

قائد اعظم مرحوم بنام رئیس الاحرار

۱۵-۴-۳۸

ڈیئر مولانا حبیب الرحمن صاحب، صدر مجلس احرار

میں سفر پر تھا، آپ کا خط مجھے واپسی پر ملا۔ آپ کا جیل سے لکھا گیا یہ خط میرے لیے باعث فخر ہے۔ آپ جیسے لوگ جیلوں میں جا کر بھی قومی مسائل سے صرف نظر نہیں کرتے۔ یہی آپ لوگوں کی امتیازی شان ہے۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ "آپ جیسے مخلصوں کی مجھے ضرورت ہے"

۱۹۳۶ء میں جو کچھ ہوا آپ اس کو بھول جائیں۔ اور نئے سرے سے آغاز کریں۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ کی جلد ضمانت ہو جائے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کی رہائی کے بعد ہم کہیں بیٹھ کر اس سلسلے میں بات کریں۔ آپ کسی وقت دلی آ جائیں جب میں وہاں موجود ہوں۔ یا پھر میں جب لاہور آؤں تو آپ سے ملنے کی کوشش کروں۔ باقی باتیں ملاقات پر ہوں گی۔

آپ کا خیر خواہ۔ ایم، اے، جناح

انہی دنوں رئیس الاحرار وکیل کی طرف سے ضمانت کی درخواست مجسٹریٹ کی عدالت میں دی جا چکی تھی۔ چنانچہ جب مجسٹریٹ کے سامنے انہیں پیش کیا گیا تو رئیس الاحرار نے عدالت میں ایک طویل بیان دیا۔ جس کو سننے کے بعد مجسٹریٹ نے انہیں ضمانت پر رہا کر دیا تھا۔ قسمت کی بات یہ کہ جب رئیس الاحرار کی رہائی عمل میں آئی تو اس سے ایک یا دو دن پہلے ڈاکٹر اقبال کا انتقال ہو چکا تھا۔ ادھر جماعتی ذمہ داریوں کی وجہ اور مقدمے کی پیروی کے سلسلے میں رئیس الاحرار کی مصروفیات بڑھ گئیں تھیں۔ یہ مقدمہ اگست تک چلتا رہا، پھر بری کر دیا گیا۔ اس لیے ان دنوں مسٹر جناح سے رئیس

احرار ملاقات کا وقت نہ نکال سکے۔ البتہ اس دوران مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند، رئیس الاحرار کے کہنے پر مسٹر جناح سے دو دفعہ ملے۔ مگر مولانا احمد سعید صاحب مطمئن نہیں تھے۔ اس لیے بات نہیں بن سکی۔

رئیس الاحرار کا نواب آف چھتاری کے نام خط

۱۹۳۶ء کے الیکشن میں کانگریس اور مسلم لیگ نے عوامی سطح پر واضح کامیابی حاصل کی۔ جب حکومت تشکیل دی جارہی تھی اور وزارتوں میں دونوں جماعتیں اپنے اپنے نمائندے متعین کررہی تھیں تو اس وقت حسب سابق قادیانیوں نے کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح سے ان کا بھی کوئی نمائندہ حکومت کا وزیر بن جائے۔ اس کے لیے انہوں نے پہلے کانگریس کے ساتھ مذاکرات کرکے قسمت آزمائی کی۔ اس کام کے لیے قادیانیوں نے نواب آف چھتاری کی مدد بھی لی مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔

نواب سعید احمد خان، نواب آف چھتاری یوپی کے گورنر بھی رہ چکے تھے۔ رئیس الاحرار کو جب معلوم ہوا کہ قادیانیوں کے گرو مرزا محمود نے نواب سعید احمد خان، نواب آف چھتاری کو رام کرکے کانگریس کے راہنماؤں سے ملاقات کی ہے اور قادیانی طبقہ کی طرف سے مرکز میں ایک وزیر لینے پر آمادہ ہے، تو اس پر رئیس الاحرار نے نواب صاحب کو ایک خط لکھا، وہ یہ ہے۔

از: ضیا محل، دہلی، ۲۰ راکتوبر ۱۹۳۶ء

محترمی نواب صاحب

سلام مسنون: میں کل ہی دہلی پہنچا ہوں، یہاں آکر مجھے ایک ایسی خبر ملی کہ جس سے میں ایک دم سکتے کی کیفیت میں آگیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آجکل آپ کے ساتھ قادیان کے خلیفہ مرزا محمود کو دیکھا جارہا ہے۔ اور یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ آپ قادیانیوں کو مرکز میں وزارت دلوانے کے لیے کوئی کوشش کررہے ہیں۔ اے کاش کہ یہ خبر غلط ہو۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ قادیانی رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کو مجلس احرار اسلام ہندہی نہیں بلکہ اکثریت طبقہ میں سے ڈاکٹر اقبال مرحوم کا نقطہ نظر بھی بخوبی معلوم ہے۔ نیز آپ کے میرے ساتھ ۱۹۳۶ء سے تعلقات چلے آرہے ہیں۔ اس کے باوجود میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایسا کیونکر ہوا۔

محترم نواب صاحب! ہم لوگ مسلمان ہیں۔ ہم لوگ ہی اگر رسول اللہ

ﷺ کی ختم نبوت کے منکروں کو اپنے سر پہ بٹھائیں گے تو پھر عوام الناس کے ایمان کا خدا ہی حافظ ہے۔ الناس علی دین ملوکہم۔ لوگ اپنے حاکموں کے دین پر ہوتے ہیں۔ اے کاش کہ میں آپ کی طرف سے ایسی خبر نہ سنتا۔ جب آپ جیسے لوگ مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کے پاس قادیانیوں کی سفارش کے لیے جائیں گے تو ان کے سامنے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان فرق ظاہر کرنے کا کونسا طریقہ باقی رہ جاتا ہے۔ نیز ان ہزاروں مسلمانوں کی قربانیوں کی کیا حیثیت رہ جائے گی جنہوں نے قادیانیت کا پردہ چاک کرنے کے لیے پیش کیں۔

والسلام۔ حبیب الرحمن لدھیانوی

مہربانی فرما کر آپ میرے عریضہ کا جواب مرحمت فرمائیں۔ میں دو تین دن کے بعد لدھیانہ چلا جاؤں گا۔ آپ مجھے اس پتہ پر خط لکھیں۔

شفاعت منزل حبیب روڈ لدھیانہ۔ پنجاب

نواب آف چھتاری کا جواب

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کے خط کا جواب نواب آف چھتاری نے یوں دیا۔

محترمی مولانا صاحب

سلام مسنون: کرامت نامہ موصول ہوکر باعث افتخار ہوا۔ مولانا! آجکل انگریزی سیاست چل رہی ہے۔ اور ہم جس راستے پر چل رہے ہیں اس میں ایسی سیاست سے بچ کر چلنا بہت مشکل ہے۔ اس معاملہ میں میں اکیلا ہی نہیں۔ اس کے لیے تو سر آغا خان نے بھی باقاعدہ لندن سے برقی پیغام بھیجا ہے۔ میں اور آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ البتہ آپ پر میں یہ بات واضح کردوں کہ احمدیوں کے بارے میں میرا عقیدہ بھی وہی ہے جو کہ آپ کا ہے۔

آپ کے لیے اس میں خوشخبری یہ ہے کہ جس کام کے لیے کوشش کی گئی تھی وہ بارآور نہ ہوسکی۔ آجکل مرزا (محمود) صاحب اور ان کے پیروکار مسلم لیگ پر محنت کررہے ہیں۔ آپ کے جناح صاحب سے تعلقات ہیں آپ ان کو خبردار کردیجئے۔ کبھی آپ

سے ملاقات ہوئی تو تفصیلاً عرض کروں گا۔

زیادہ نیاز: سعید احمد خان، نواب آف چھتاری۔۔۔۔۔۶-۳-۱۰-۱۰

رئیس الاحرارؒ نے اس کا جواب یوں دیا

از لدھیانہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء

محترمی نواب صاحب

سلام مسنون: مجھے آپ کا جواب پڑھ کر نہ صرف افسوس ہوا بلکہ مایوسی بھی ہوئی۔ میں افسوس سے یہ کہتا ہوں کہ "مسلمانوں کی بزدلانہ نیک دلی اور دوسروں کی بیجا رواداری وغیرہ چشمی" نے ہمیں اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ ہم لوگ اپنی اعلیٰ روایات چھوڑ بیٹھے۔ امید ہے کہ اس فقرہ ہی سے آپ میرا مطلب سمجھ لینگے۔

والسلام۔ حبیب الرحمٰن لدھیانوی

قائداعظم مسٹر محمد علی جناح مرحوم کے نام ایک اور خط

جیسا کہ نواب آف چھتاری نے اپنے خط میں قادیانیوں کے متعلق رئیس الاحرارؒ کو لکھا کہ کانگریس سے ناکام ہونے کے بعد قادیانیوں نے مسلم لیگ پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے ہیں آپ مسٹر جناح کو خبردار کر دیں۔

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اگرچہ ۱۹۳۶ء میں مجلس احرار کے صدر نہیں رہے تھے مگر اس کے باوجود ان کی شخصیت ہندوستان کے تمام چوٹی کے لیڈروں کے نزدیک اہم ہو چکی تھی۔ رئیس الاحرارؒ نے سیاسی شخصیت ہونے کے باوجود دینی معاملات میں کبھی بھی سستی نہیں دکھائی۔ خصوصاً قادیانیوں کے معاملے میں چوکنے رہے۔ چنانچہ جب قادیانیوں نے مسلم لیگ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تو رئیس الاحرارؒ نے بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کو ایک خط لکھا۔

از: شجاعت منزل، حبیب روڈ لدھیانہ۔ ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء

محترم جناب محمد علی جناح صاحب، صدر آل انڈیا مسلم لیگ

السلام علیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہونگے۔ آپ کو مبارک ہو کہ آپ نے الیکشن جیت لیا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ نے مسلمان قوم کیساتھ جو وعدے کیے ہیں

ان کو پورا فرمائیں گے۔ مرکز میں آپ کو وزارتیں بھی دی جا رہی ہے۔ اگر دیانت داری کے ساتھ آپ کے مقرر کردہ نمائندے اپنے فرائض سرانجام دیں گے تو آنے والے وقت میں بھی کامیابی آپ کی جماعت کے قدم چومے گی۔

ایک اور مسئلہ میں جو کہ بہت ضروری ہے آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ نے یہ ووٹ اسلام کے نام پر لیے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ اس مقدس امانت کی لاج رکھی جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قادیانی ٹولہ اب پھر مسلم لیگ پر قبضہ کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ قادیانیوں نے پہلے تو کانگریس کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے اپنا کوئی نمائندہ وزارت میں بھیج دیا جائے۔ جس کے لیے انہوں نے جواہر لال نہرو پر محنت کی۔ اور اس کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ قادیانی جماعت نے کانگریس کی بھرپور حمایت کی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کی جماعت سے ایک وزیر ضرور لیا جائے۔ مرزا محمود نے اس کام کے لیے نواب آف چھتاری کو بھی استعمال کیا۔ کانگریس پر زور ڈالا کہ پارسیوں کا ایک نمائندہ چونکہ وزارت میں لیا گیا ہے، اور پارسی تعداد کے اعتبار سے تین لاکھ ہیں۔ جبکہ ہم آٹھ لاکھ ہیں۔ اس لیے ہمارا حق پارسیوں سے زیادہ بنتا ہے۔ (جبکہ یہ جھوٹ ہے۔ قادیانیوں کی تعداد پارسیوں سے بہت ہی کم ہے) نیز انہوں نے جواہر لال پر یہ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی کہ قادیانی جماعت نے ان کا ہر سطح پر ساتھ دیا ہے۔ مگر جواہر لال نے ان کو یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ کانگریس ایک غیر فرقہ وارانہ جماعت ہے۔ اس میں مذہب کی بنیاد پر وزارتیں نہیں دی گئیں۔ اگر مذہب ہی کو بنیاد بنایا جائے تو تمام مذاہب کو جس میں مسلمان بھی شامل ہیں، کو حصہ دیا جا چکا ہے۔ ہندوستان میں مسلمان کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور آپ ان کو آٹھ لاکھ تک محدود کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور فرقہ ہیں۔

اگر آپ مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور فرقہ ہیں تو اس کی وضاحت کریں، تو اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ اس پر مرزا محمود سے اس کا جواب نہیں بن پڑا، اور دم دبا کر

بھاگ آیا۔ یہ بات مجھے جواہر لال نے خود بتائی۔ جواہر لال نے ہندو ہوتے ہوئے قادیانیوں کو ان کی حیثیت یاد دلادی ہے۔

قادیانیوں کا اخبار "الفضل" پڑھنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ قادیانیوں نے آپ کو مبارک باد کے پیغام کے ساتھ ساتھ اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے۔ لگتا ہے کہ اب یہ لوگ آپ کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے جال تیار کر رہے ہیں۔ میری آپ سے گذارش ہے کہ ان کے اس جال سے بچیں۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے تو ان کے دجل و فریب سے دنیا کو آگاہ کر دیا تھا۔ اللہ کرے آپ اس سے محفوظ رہیں۔

والسلام حبیب الرحمن لدھیانوی

قائد اعظم کا جواب

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے اس خط کے جواب میں بانی پاکستان نے یہ جواب دیا۔ (تاریخ درج نہیں ہے)

ڈیئر مولانا حبیب الرحمن صاحب

آپ کا خط ملا۔ جس بات کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے اس کا شکریہ۔ میں نے نشتر صاحب کے ذمہ لگایا ہے کہ وہ اس سلسلے میں آپ سے رابطہ کریں۔ پھر جو مناسب ہوگا کیا جائے گا۔

آپ کا خیر خواہ ایم۔ اے۔ جناح

بقلم نشتر

نہ معلوم پھر کیا ہوا، جب کہ اس کا عملی مظاہرہ یہ تھا کہ قیام پاکستان کے بعد ظفر اللہ خان کو پاکستان کا وزیر خارجہ بنا دیا گیا۔ جس نے بانی پاکستان کا جنازہ یہ کہہ کر نہیں پڑھا کہ "ایک مسلمان حکومت کا غیر مسلم وزیر یا غیر مسلم حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیا جائے۔

رئیس الاحرار کے مسلم زعماء کے نام یہ خطوط اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں سیاسیات میں بھی قادیانیوں کی شمولیت کو کسی بھی شکل میں گوارا نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں کے ایمان کو مجروح کر رہے تھے۔

(باقی آئندہ)

انوار انوری

احوال و واقعات خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

قسط نمبر:25

شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوری

مقدمہ بہاولپور میں حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان

حضرت شاہ صاحب کا بیان سننے کے لئے پنجاب، بلوچستان، کراچی اور دیگر دور دراز علاقوں کے علماء وفضلاء ورؤساء اور افسران ریاست آئے ہوئے تھے۔ انجمن مؤید الاسلام بہاولپور نے جو تمہیدی الفاظ حضرت کے بیان "البیان الازہر" پر لکھے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے

حامداً ومصلیاً

شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف وقدوۃ الخلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی بلند پایہ ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں۔ آپ کو مرزائی فتنے کے رد و استیصال کی طرف خاص توجہ تھی۔ حضرت شیخ الجامع مولانا غلام محمد صاحب کا خط شاہ صاحب کی خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے اور سامان سفر باندھا جا چکا تھا۔ مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی تیاری کو ملتوی فرمایا اور ۱۹ راگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔ حضرت کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء مولانا عبدالحنان خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور وناظم جمعیۃ العلماء پنجاب ومولانا محمد صاحب لائلپوری فاضل دیوبند ومولانا زکریا صاحب لدھیانوی وغیرہم بھی تشریف لائے۔ ریاست بہاولپور اور ملحقہ علاقہ کے علماء اور زائرین اس قدر رجوع ہوئے کہ حضرت کو قیام گاہ پر بعض اوقات جگہ نہ ملتی اور زائرین مصافحہ سے مشرف نہ ہو سکتے تھے۔

۲۵ راگست ۱۹۳۲ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان شروع ہوا۔ عدالت کا کمرہ امراء ورؤساء ریاست وعلماء کی وجہ سے پُر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔ باوجود یکہ حضرت شاہ صاحب عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم وعرفان کا دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کا کفر و

ارتداد اور دجل وفریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرمادیئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع برہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا کے ادعا نبوت و وحی و مدعی نبوت کے کفر وارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل وحقائق کی توضیح وتفصیل کے لئے جو علمی مباحث موجود ہیں شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم سے ضخیم کتاب میں یک جا نہیں ملے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کے فکر کی رسائی سے باہر ہے۔ ناظرین بہرہ اندوز ہوکر حضرت شاہ صاحبؒ کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمائیں۔ آمین۔ حضرت کا حافظہ اس وقت کامل دید وشنید تھا۔ اس پر مولانا محمد صادق کا بیان ختم ہوا اور احقر عرض کرتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے تین دن بیان کیا اور دو دن جلال الدین قادیانی نے جرح کی۔ کل بیان پانچ روز ہوا۔ یعنی ۲۵ سے شروع ہوکر ۲۹ راگست ۱۹۳۲ء کو ایک بجے ختم ہوا۔ آپ نے بجملہ حوالہ جات کے ایک فتویٰ مصری مطبوعہ بھی پڑھ کر سنایا۔ جس میں علماء مصر نے مدعی نبوت پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اس میں مشہور عالم دین علامہ محمد بخیت کا بھی فتویٰ تھا۔ اس پر فرمایا تھا کہ میں علامہ بخیت کو پہچانتا ہوں۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا بھی طویل فتویٰ سنایا تھا۔ اور بھوپال کے مفتی اعظم کا بھی فتویٰ سنایا تھا۔ یہ دونوں فتوے مولانا نور احمد صاحب امرتسری کے رسالہ ''کشف الملبس عن الاختلاف بالمرزائیں'' سے پڑھ کر سنائے تھے۔

نوٹ: اب بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ایک رسالہ اور بھی ہے جس میں مولانا مولوی میر علی صاحب مصنف عین الہدایا وغیرہ مدرسین اہل ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مولانا شبلی جو اس وقت مدرس ندوۃ العلماء کے تھے۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کا اور حضرت مولانا عبدالرحیم شاہ رائے پوری صاحبؒ۔ اور حضرت مولانا نور محمد لدھیانوی صاحب خلیفہ حضرت میاں عبدالرحیم صاحب جو اس وقت حضرت رائے پوری شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں رہتے تھے۔ اور ہمارے حضرت عبدالقادر کا بھی فتویٰ ہے۔

قادیانی مختار نے کہا تحذیر الناس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعد خاتم النبیین نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔ فرمایا جج صاحب لکھئے۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اپنے ابتدائی مضمون میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق دلائل وبراہین ساطعہ بیان فرمائے

ہیں۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس کی علمی توجیہات فرمائی ہیں۔ ان لوگوں پر حیرت ہے جو تحذیر الناس کو بغور اور بالاستیعاب دیکھتے نہیں۔ اس رسالہ میں جابجا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اتفاقی عقیدہ ہونا اور اس پر ایمان ہونا ثابت فرمایا ہے۔ رسالہ کے صفحوں کی عبارت میں آپ کو لکھوانا چاہتا ہوں۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں۔

''سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي او كما قال جو بظاہر بطرز مذکورہ اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے۔ کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے۔ گو الفاظ مذکور بسند تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا۔ جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے۔ ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ اسی رسالہ کے دوسرے صفحات میں جابجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا اقرار ہے۔ نیز مناظرہ عجیبہ جو صرف اسی موضوع پر ہے۔ نیز آب حیات قاسم العلوم انتصار الاسلام وغیرہ کتب مصنفہ حضرت نانوتویؒ دیکھنا چاہیے۔ حضرت مولانا مرحوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تین طرح کی خاتمیت ثابت فرماتے ہیں۔ ایک بالذات یعنی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمیت ذاتی کا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بصفت نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ ﷺ کے واسطے سے جیسا کہ عالم اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے۔ اس کے ذریعے سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیاء ارضیہ متصف بالنور ہیں۔ یہی حال وصف نبوت کا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے متصف بالذات اور اسی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے نبوت ملی۔ حدیث میں ہے۔ كنت نبيا و ادم منجدل بين الماء والطين۔ اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور ﷺ کے واسطے سے متصف بالنبوۃ ہوئے۔ حدیث میں ارشاد ہے لو كان موسى حيا لما وسعه الا اتباعي۔ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ پارہ نمبر ۳ کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ الآیۃ ۔ اس آیت سے صاف واضح ہے کہ نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اس امت کے رسول ہیں، نبی الانبیا بھی ہیں۔ تمام انبیا علیہم کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف اور سب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا۔ آیت میں ثُمَّ جَاءَكُمْ فرما کر تصریح فرما دی گئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔

آیت میثاق درو ے ثم ہست ...... ایں ہمہ از مقتضائے ختم است

ثم عربی زبان میں تراخی کے لئے آتا ہے۔ اسی واسطے عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ الآیۃ فرمایا۔ حدیث میں ہے انا دعوۃ ابی ابراھیم میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہم السلام کی دعا ہوں۔ تمام انبیا علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارات دیتے آئے۔ چنانچہ توراۃ شریف، انجیل شریف ودیگر صحف باوجود تحریف لفظی ومعنوی ہو جانے کے اب بھی متعدد آیات موجود ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اور افضلیت کا پتہ دیتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ تشریف لا کر اتباع شریعت محمدیہ کرنا اسی افضلیت اور خاتمیت کا عملی مظاہرہ ہوگا۔ لیلۃ المعراج میں انبیا علیہم السلام کا صف بندی کر کے امام کا منتظر رہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امامت کرنا بھی اسی امر کی صراحت کرتا ہے۔ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا الآیۃ بھی اسی کی طرف مشیر ہے۔ کہ لیلۃ المعراج میں انبیا علیہم السلام کا اجتماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا۔ اور ابن حبیب عبداللہ ابن عباسؓ سے روی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی (اتقان) اور انا خطیبھم اذا انصتوا اور احادیث شفاعت بھی اسی افضلیت محمدیہ کا اعلان کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا اختتام ہوا۔ اور پہلے انبیا علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی کا زندہ رہنا ضروری تھا تا کہ بطور نمائندہ سب کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کریں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب ہوا اس لئے کہ آپ انبیا بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ اور سلسلہ اسحاق اور اسمٰعیل کو جوڑ دینا منظور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین امور کا اعلان فرمایا۔

(۱) یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ ۔ اے بنی اسرائیل میں فقط تمہاری طرف مبعوث ہو کر آیا ہوں دوسری جگہ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔ صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر

بھیجے گئے۔

(۲) مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ

(۳) وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ۔ میں ایک عظیم الشان رسول برحق کی خوشخبری سنانے آیا ہوں، جو میرے بعد مبعوث ہوں گے۔ ان کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قرآن عزیز اعلان کرتا ہے کہ وہی برحق ہیں کہ جن کے متعلق عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام سے عہد بیان ہوا اور بشارات دی گئی تھیں۔ آپ کا خطاب خاتم النبیین و خاتم المرسلین۔ حدیث شریف میں ہے، مجھے زیادہ قرب ہے عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت تمام لوگوں کے۔ اور بلاشبہ وہ نزول فرمائیں گے۔ انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم النبیین علی الاطلاق کے دین کی نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے۔ فضیلت محمدیہ کو دنیا پر واشگاف کرنا منظور ہے۔ آپ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تشریف لانا ایسا ہی ہے جیسے ایک نبی دوسرے نبی کے علاقے میں چلا جائے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی ہوں گے۔ لیکن بہ حیثیت حکماً عدلاً تشریف آوری ہوگی بطور رجعت فرمانے کے تشریف آوری ہوگی۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قرب قیامت میں عیسائی قوم کی مسلمانوں سے مڈبھیڑ رہے گی۔ لہٰذا اہل کتاب کی اصلاح کے لئے تشریف لائیں گے۔ ثالث وہی ہوتا ہے جو ہر دو فریق کے نزدیک مسلم ہو۔ ہماری کتابیں عقیدۃ الاسلام تحیۃ الاسلام اس باب میں دیکھنا چاہیے۔ دوم خاتمیت زمانی یعنی آپ کا زمانہ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ ہوگی۔

ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً روایت ہے۔ بدأ بی الخلق و کنت اخرھم فی البعث و

اخرج جماعۃ عن الحسن عن ابی ھریرۃ مرفوعاً کنت اول النبیین فی الخلق و اخرھم فی البعث کذا فی روح المعانی ص ۱۱ ج ۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اسلام کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔ مرزا غلام احمد نے اجماع کو حجت مانا ہے۔ اور اس کے منکر پر لعنت کا اعلان کیا ہے۔ انجام آتھم ص ۱۴۴۔ مرزا

صاحب نے کفار کے تواتر کو بھی حجت مانا ہے۔ چہ جائیکہ تمام امت محمدیہ کے تواتر سے ثابت شدہ عقیدہ کو (تریاق القلوب) حضرت نانوتویؒ نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے۔ یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے۔ وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے۔ اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں۔ اس کو بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

قادیانی مختار مقدمہ نے سوال کیا کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔ احقر نے فرمایا کہ ابی کی شرح مسلم شریف نکالو۔ چنانچہ ص ۲۶۶ ج ۱ مطبوعہ مصر سے ذیل کی عبارت پڑھ کر سنائی۔ وفی العتبیۃ قال مالک بینا الناس قیام یستمعون لاقامۃ الصلوٰۃ فتغشاھم غمامۃ فاذا عیسیٰ قد نزل۔ الخ۔ عتبیہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا درانحالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے۔ اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لے گا۔ یکا یک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ امام مالک کا بھی وہی عقیدہ ہے۔ جو ساری امت محمدیہ کا اتفاقی اور متواتر عقیدہ ہے۔ ہم نے تتبع کیا ہے۔ کوئی تیس انتیس صحابہؓ احادیث نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے راوی ہیں۔ تابعین کا تو احصاء بھی مشکل ہے۔ امام ترمذیؒ نے پندرہ صحابہ گنوائے ہیں۔ ہم نے مزید چودہ کا اضافہ کیا۔ چنانچہ مسند احمد، کنزل العمال و دیگر کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ ہمارا رسالہ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' مطالعہ کیا جائے۔

قادیانی نے سوال کیا کہ علماء بریلوی علماء دیوبند پر کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ اور علماء دیوبند علماء بریلوی پر۔ ارشاد فرمایا کہ جج صاحب! احقر بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گذارش کرتا ہے کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے۔ علماء دیوبند اور علماء میں واقعات کا اختلاف ہے۔ قانون کا نہیں۔ چنانچہ فقہاء حنفیہؒ نے تصریحات فرمائی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کلمہ کفر کسی شبہ کی بناء پر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ دیکھو رد المختار و بحر الرائق۔

بہاولپور سے واپسی پر ریل گاڑی میں احقر نے عرض کیا کہ سلطان پور لودھی ضلع جالندھر میں حیات عیسیٰ علیہ السلام پر میرا مناظرہ مرزائیوں سے ہوا میں نے منجملہ دلائل کے ایک یہ آیت بھی پیش کی تھی۔ قل فمن یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض

جَمِیْعًا۔ اس پر وہ مرزائی کہنے لگا کہ دیکھو دیکھو اس نے کیا کہہ دیا۔ اس میں تو اُمَّہٗ کا لفظ بھی ہے۔ احقر
نے عرض کیا کہ یہ آیت پاک اتفاقی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک عیسیٰ علیہ السلام کے مارنے کا ارادہ
بھی نہیں کیا کیوں کہ فرمایا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ الآیۃ۔ موت تو درکنار ابھی تک تو
اللہ تعالیٰ نے ارادہ بھی نہیں فرمایا۔ اور عرض کیا وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا بھی تو ہے۔ کیا قیامت آگئی
وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مر گئے۔ جب سارے مریں گے تو اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بھی انتقال
فرمائیں گے۔ رہا اُمَّہٗ کا لفظ سو اس میں کیا حرج ہے۔ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی
والدہ ابھی تک زندہ ہیں کوئی کفر ہے؟ اس پر بہت مسکرائے فرمایا کہ تو نے بہت اچھا کیا۔ دیکھو میں
بیان کرتا ہوں۔ سنو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر باری تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کا ارادہ کر
لیں تو کون روک سکتا ہے۔ خواہ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ہوں خواہ ان کی والدہ بھی ساتھ ہوں، کوئی
نہیں روک سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وَاُمَّہٗ مفعول معہٗ واقع ہوا ہے اپنے ماقبل سے۔ مفعول معہٗ کا
اپنے ماقبل کے ساتھ فعل میں شریک ہونا کوئی شرط نہیں۔ جیسے اِسْتَوَی الْمَاءُ وَالْخَشَبَةَ۔ استویٰ کا
کام فقط پانی نے کیا لکڑی نے نہیں کیا۔ لکڑی تو ایک جگہ گاڑی ہوئی ہوتی ہے۔ پانی چڑھتا ہے۔ جب
پانی لکڑی کے سرے پر آجاتا ہے تو عرب والے بولتے ہیں اِسْتَوَی الْمَاءُ وَالْخَشَبَةَ۔ والخشبة
مفعول واقع ہوا ہے۔ اب دوسری مثال جیسے سِرْتُ وَالنِّیْلَ یہاں والنیل بھی مفعول معہٗ واقع ہوا
ہے۔ کیوں کہ اگر واو جمع کے لیے ہوتی تو سِرْتُ وَ سَارَ النِّیْلُ ہوتا۔ کیونکہ پانی کا کام تو جریان ہے نہ کہ
اس پانی کا کام سیر کرنا۔ اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ میں نے سیر کی۔ مع النیل کے معنی میں نے نیل کے
کنارے کنارے سیر کی۔

تیسری مثال کُوْنُوْا اَنْتُمْ وَبَنِیْ اَبِیْکُمْ مَکَانَ الْکُلْیَتَیْنِ مِنَ الطِّحَالِ یعنی تم اپنے
چچازاد بھائیوں کے ساتھ یوں ہی جاؤ جیسے گردے تلی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم یک
جان ہو کر رہو یہاں وَبَنِیْ اَبِیْکُمْ مفعول معہٗ واقع ہوا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ تم ہو جاؤ اور تمہارے چچا
زاد بھائی ہو جائیں۔

چوتھی مثال مَاتَ زَیْدٌ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مطلب یہ ہے کہ زید مرگیا سورج کے نکلنے کے
وقت۔ یہ مطلب نہیں کہ زید مر گیا اور طلوع شمس بھی مر گیا۔ غرض اس طرح بہت طویل تقریر

فرمائی۔ بہت سی آیات اور بہت سے اشعار پیش فرمائے۔

نوٹ :۔ میں اپنے بچوں کو ایک دفعہ تتمہ آجرومیہ پڑھا رہا تھا۔ مفعول معہ کے بیان میں اس میں یہ سب امثلہ موجود ہیں۔ اور اشمونی میں بھی ہیں اور حافظ جلال الدین سیوطی کا ایک رسالہ نحو کا ہے۔ اس میں بھی ہے۔ تتمہ آجرومیہ میں یہ کمال ہے کہ ہر ایک مسئلہ کی مثال میں قرآن اور حدیث کو پیش فرماتے جاتے ہیں۔ آجرومی کہتے ہیں حبشی زبان میں صوفی کو۔

(۱) حضرت مولانا حجۃ الاسلام مولانا مولوی انور شاہ صاحب فتنہ کے معنے کیا کرتے تھے ''جس میں آدمی کو اپنا دین سنبھالنا مشکل ہو جائے''۔

(۲) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ. اس میں بڑی یاد داشت ہے اور نصیحت ہے جس کا دل ہو یا کان لگائے اور وہ حاضر الحواس ہو۔ شہید کے معنی حاضر الحواس یعنی مغفل نہ ہو۔

ایک دفعہ مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈوی کو یہ فرما رہے تھے کہ دیکھنا مغفل نہ بننا۔

(۳) إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ اس کا ترجمہ یوں کرتے تھے۔ اس کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو باری تعالیٰ خود اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ پاک کلمات جو اس کا کلام ہے اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور عمل نیک تو ہمارا فعل ہے۔ اس کو جب قبول فرماتے ہیں۔ تو اپنی طرف کو اٹھا لیتے ہیں۔

(۴) اذا غلا واشتد۔ جو فقہا شراب کے معنوں میں لکھتے ہیں اس کا ترجمہ یوں کیا کرتے تھے۔ جب کہ جوش مار اور تیز ہوا۔

(۵) ایک دفعہ ترمذی شریف کے سبق میں فرمایا بدیہی اس کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ سے محسوس ہو سکے۔ وہ بدیہی ہے۔ جو چیزیں کہ ہم دیکھتے ہیں یا جو باتیں کہ ہم سنتے ہیں یا جو چیزیں کہ ہم چکھتے ہیں یا جو چیزیں کہ ہم سونگھتے ہیں یا ان چیزوں کو ہم مس کرتے ہیں، وہ بدیہی ہے۔

ایک مولوی صاحب ہمارے ساتھی تھے، ان کو مولوی محمد اسحاق کہتے تھے۔ وہ آج کل شاید ایبٹ آباد کی جامع مسجد کے خطیب ہیں۔ انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ بدیہی کس کو کہتے ہیں۔ سلم العلوم کی عبارت زبانی پڑھ کر سنائی۔ فرمایا کہ میں تو بدیہی کا مصداق پوچھتا ہوں۔ اور تم سلم

کی عبارت سناتے ہو۔

(۶) حلول کے معنی ہیں کھپ جانا۔ خود حلول سریانی ہو خواہ طریانی۔

(۷) فرمایا کہ فلاسفہ یونان نے جسم کے معنی کئے ہیں۔ قابل للابعاد ثلاثہ اور جسم کہتے ہیں، جو ہیولیٰ اور صورت جسمیہ سے مرکب ہو۔ قابل للابعاد ثلاثہ ہونا یہ تعریف صورت جسمیہ پر تو صادق آتی ہے اور ہیولیٰ پر صادق نہیں آتی۔ اور صدر الدین شیرازی کہتے ہیں کہ جو تعریف کہ سب اجزاء پر صادق نہ آئے وہ تعریف جائز نہیں۔ لہٰذا ان کے اعتبار سے جسم کی تعریف صحیح نہ ہوئی۔ میں نے ایک تحریر لکھی ہے جس میں ارسطو کا فلسفہ میں غلطیاں کھانا لکھا ہے۔ اور وہ تحریر بہت لمبی ہے۔ میں نے دکھلایا ہے کہ ارسطو تعریف جسم کی کر نہیں سکا۔ اور فلاسفہ نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ میری تحریر امام غزالیؒ سے زیادہ محقق ہے۔

(۸) جب علامہ ابن رشد اندلسی کی کتابیں طبع ہو کر آئیں اور میں نے مطالعہ کیا۔ اور ان کا امام غزالیؒ پر رد دیکھا تو میں ابن رشد سے بدظن ہو گیا۔ لیکن جب ابن رشد مالکی کی بدایۃ المجتہد اور نہایۃ المقتصد مطالعہ کی تو مجھے استغفار کرنا پڑا۔

(۹) فرمایا کہ مجھے ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ اثبات باری تعالیٰ پر نیوٹن نے بڑی عمدہ کتابیں لکھی ہیں۔ فرمایا کہ نیوٹن کی میں نے چودہ تصانیف دیکھی ہیں۔ میں نے جو رسالہ لکھا ہے اور اس میں جو دلائل قائم کئے ہیں "ضرب الخاتم علی حدوث العالم اور مرقاۃ الطارم" اس کو نیوٹن نہیں پہنچ سکا۔ پھر اقبالؒ نے ضرب الخاتم مجھ سے لے لی۔ اور اس نے بہت سے خطوط لکھ کر ضرب الخاتم کو مجھ سے سمجھا۔ میرے نزدیک جو کچھ ضرب الخاتم کو اقبالؒ سمجھے ہیں اس کو کوئی مولوی بھی نہیں سمجھ سکا۔

(۱۰) ایک دفعہ میرے دریافت کرنے پر بہاولپور میں فرمایا کہ ڈاکٹر اقبال کو میں نے علامہ عراقی کا ایک فارسی رسالہ قلمی دیا تھا۔ غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان کہ زمان کیا ہے اور مکان کیا ہے۔ اس کی عراقی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے۔ نیوٹن نے جو کچھ لیا ہے وہ علامہ عراقی سے لیا ہے اس کی اپنی تحقیق نہیں۔ یہ سن کر حیران ہو گیا۔ پھر اس نے یورپ کے اخباروں میں بیانات دیے۔ یہ قصہ ۱۹۳۲ء میں جب ڈاکٹر اقبالؒ نے خطبہ صدارت سنایا تھا۔ بھی سنایا تھا۔

(۱۱) دسمبر ۱۹۳۲ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے السنہ شرقیہ کا ایک جلسہ ہوا تھا جس کی

صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی تھی اور احقر بھی اس جلسہ میں شریک تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے پرچہ۔ اس میں بھی سنایا تھا۔ اس جلسہ میں کلکتہ تک کے پروفیسر جمع ہوئے تھے اور حیدرآباد سے مولانا حبیب الرحمن صاحب شیروانی بھی ایک جلسہ کی صدارت کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس میں تمام پروفیسر حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیقات ڈاکٹر اقبال کی زبانی سن کر حیران رہ گئے۔

(۱۲) مولانا غلام محمد صاحب مرحوم برادر خورد مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان فرماتے تھے کہ جب میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں پڑھتا تھا تو ہمارا سالانہ امتحان لینے کے لئے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب تشریف لائے اور میرا مشکوٰۃ شریف میں امتحان لیا۔ اور یہ حدیث نکی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تھے۔ اور میں پانی لینے میں پیش قدمی کرتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے فوراً فرمایا کہ پیش دستی کرتی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ ہمیں تو استادوں نے پیش قدمی پڑھایا اور اصل ترجمہ پیش دستی ہے۔

(۱۳) ہمارے استاد صاحب مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں سہارن پور مظاہر العلوم میں پڑھتا تھا تو ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لائے۔ جب حضرت چلنے لگے تو میں نے حضرت کا سامان اٹھا لیا اور اسٹیشن پر پہنچا دیا۔ اس وقت گاڑی نگینہ تک جاتی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا نام محمد انور شاہ ہے۔ میں اس وقت مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں جا رہا ہوں۔ اگر کوئی کام ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔ مولانا مشیت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت بجنور ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے تو ہم اکثر حضرت کو شکار کے لئے گھوڑے پر سوار کر کے لے جاتے تھے۔ جو گھوڑا کہ منہ زور ہوتا تھا اس پر حضرت کو بٹھاتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بڑے ہی شہسوار تھے اور نشانہ خوب لگاتے تھے۔ ایک دفعہ ہم نے مکان کا فوٹو کھچوایا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فوٹوگرافر سے فرمایا کہ تم لوگ یہ مسالے استعمال کرتے ہو۔ وہ فوٹوگرافر حیران رہ گیا۔

(۱۴) ایک دفعہ فرمایا کہ میرے پاس سامان نہیں ورنہ میں ہوائی جہاز کی آواز کو بند کر دیتا۔ غرض کہ آپ کی نظر سے کوئی بھی چیز اوجھل نہیں رہی تھی۔ حضرت رائے پوری مولانا عبدالقادر صاحب فرماتے تھے کہ شاہ صاحبؒ تو آیات من آیات اللہ تھے۔

ربیع الاول اور ہماری ذمہ داری

مولانا نقیب الرحمٰن لدھیانوی

قارئین کرام! ربیع الاول کے مبارک مہینے کے ساتھ جو مبارک نسبتیں اور بدعی منسوبات ہیں ان سے باخبر رہ کر نسبتوں سے وفا اور بدعتوں سے براءت اختیار کر کے اتباع حق اور اجتناب عن الباطل کی سعی میں یہ تحریر کافی معاون ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ

کچھ عرصہ سے ماہ ربیع الاول صرف میلاد رسولؐ کے حوالے سے اتنا مشہور کر دیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے آپؐ کے ساتھ اس ماہ کی باقی نسبتیں بالکل معدوم ہو کر رہ گئی ہیں۔ حالانکہ چند سال قبل اس مہینے کی 12 تاریخ کو بارہ وفات کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپؐ سے ربیع الاول کی مندرجہ ذیل اہم نسبتیں یہ ہیں۔

(1)......ولادت:

جان کائنات کی ولادت باسعادت کے ساتھ اس ماہ کو ایک عظیم نسبت ہے۔ کہ آپؐ کی ولادت نے اس ماہ کی بہاروں کو حقیقی معنوں میں بہار بنا دیا ہے۔ کہ آپؐ نے 9 ربیع الاول مطابق 20 اپریل 577 عیسوی کو سیدہ آمنہ کے بطن سے جنم لے کر کون ومکان کو بہار رونق عطا فرمائی۔

سوئی سوئی تھی یہ دھرتی اس سے پہلے
آپ کے آنے سے رونق آ گئی ہے

کسی عرب شاعر نے ربیع الاول کی بہاروں کو اشعار کی لڑی میں اس طرح پرو دیا کہ جنہیں پڑھتے ہی دل اس ماہ کی بہاروں پر جھوم اٹھتا ہے۔

لھذا الشھر فی الایام فضل .... ومنقبت تفوق علی الشھور .... ربیع
فی ربیع فی ربیع .... نور فوق نور فوق نور۔

کہ اس ماہ کو سال کے تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہے اس کا رتبہ تمام مہینوں سے بڑھ گیا کیونکہ اس مہینہ میں بہاروں پر بہار آ گئی اور نور پھیلتا چلا گیا۔ ایک اردو شاعر نے اپنے الفاظ میں یوں کہا!

صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا .... وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

صرف ولادت کے پہلو پر ہی روشنی ڈالنے کے لئے عمر خضر بھی مل جائے تو لاریب حق ادا نہ ہو سکے گا۔

سدرۃ المنتہیٰ ہو ابتدا جن کی .... انتہا ہے ان کی کیا خود مصطفی جانیں

(2)……نبوت:

ربیع الاول کو آپؐ سے دوسری نسبت نبوت کے حوالے سے ہے۔ یوں تو آپ کی ذات گرامی ابتدائے آفرینش کے وقت ہی نبوت سے متصف تھی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ کُنتُ نبیاً و آدمُ بینَ الماءِ والطین۔

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام مٹی اور گارے میں تھے۔ مگر اظہار نبوت سب سے آخر میں 9 ربیع الاول مطابق 9 فروری 610 عیسوی میں ہوا۔ اور رسالت و نبوت کا ایسا سورج طلوع ہوا جس کی روشنی قیامت کی صبح تک باقی رہے گی۔

اظہار نبوت کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے انا خاتم النبیین لا نبی بعدی میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس بارے میں کسی نے کیا خوب کہا۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

یعنی ربیع الاول کی پر بہار فضاؤں میں جبرائیل امین نے حرا کی خلوتوں میں بحکم رب العالمین آپؐ کے سر پر تاج نبوت سجا کر آپ کو رحمت العالمین کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے کا پیغام سنایا اسی ماہ میں آپؐ پر ہدی للعالمین (قرآن) کا نزول اقرا باسم ربک کی صورت میں شروع ہوا۔

(3)……ہجرت:

اس مہینے کو آپؐ سے تیسری نسبت ہجرت کے حوالے سے ہے۔ تیرہ سال پیغام نبوت و رسالت کی پاداش میں اپنوں پرایوں سب کی طرف سے ظلم و ستم کا شکار رہ کر اپنا محبوب قبلہ (بیت اللہ) کا داغ فراق قلب حزیں پر سجائے ہوئے زیرِ باراں آنکھوں سے اس ماہ کی یکم تاریخ مطابق 13 ستمبر 622 عیسوی کو عازم یثرب ہو رہے تھے۔ تو زبان مبارک پہ یہ درد بھری دعا تھی۔ اے اللہ اس جگہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا مگر یہاں کے باسی مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔ میں ایسی جگہ چھوڑ رہا ہوں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تو مجھے وہ جگہ عطا فرما جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ آپؐ کے غم فراق کعبہ کے بارے میں راقم کی رباعی ہے۔

نہ تجھ پہ تھا میں فریفتہ نہ تیرا عاشق زار تھا
نسبتیں تیری دیکھ کر تجھے اپنا قبلہ بنا لیا
تو حبیب دو جہاں تیرا ہجر ان پہ بہت گراں

میں غریب ان کا ہوں یا خدا جنہیں تو نے اپنا بنا لیا

ہجرت کے سلسلہ میں آپؐ نے اسی ماہ ربیع الاول میں یثرب کے ریگزاروں کو نور نبوت سے مدینہ منورہ بنا دیا۔ اسی لئے مدینہ کی بچیوں نے آپؐ کا استقبال ان اشعار سے کیا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع ...... وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

(4)...... وفات:

ربیع الاول کو آپؐ سے چوتھی نسبت وفات شریف کے حوالے سے ہے۔ آفتاب نبوت 23 سال تک توحید کی روشنی پھیلا کر 12 ربیع الاول مطابق جون 633ء عیسوی کو رفیق اعلیٰ کی طرف عازم سفر ہوا تو اس وقت پتہ ہے کیا ہوا؟ اہل مدینہ پر فرط غم سے سکتہ طاری ہو گیا۔ عمرؓ جیسا تمام العزم شخص ہیجان کی وادیوں میں کھو گیا۔ سیدہ فاطمہ نے چھلنی کلیجے سے ایسا دل روز مرثیہ کہا جس کی تپش آج چودہ سو سال بعد بھی جگر چیر کر رکھ دیتی ہے۔

صبت علی مصائب لو انہا ...... صبت علی الایام صرن لیالیا

آج میرے والد کی جدائی کے غم کا پہاڑ جس طرح مجھ پر ٹوٹا ہے۔ اگر دن کی روشنی پر ٹوٹ پڑے تو روشنی بھی سیاہ رات بن جائے۔ سیدی مولائی حضرت شاہ نفیس الحسینی نے سیدہ فاطمہ کے غم کو اپنے اشعار میں اس طرح ظاہر فرمایا:

زہرہ کا دل مارا مارا ...... ہجر نبی میں پارہ پارہ

گم سم آنسو بار پروتی ...... صلی اللہ علیہ وسلم

وفات رسولؐ پر مدینہ منورہ کے باسیوں پر جو قیامت گزری اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ سیدہ فاطمہؓ کا الم و زشعر ان کے غم کی کیفیت کا ایسا اظہار ہے جو آج بھی دل کو غمناک اور آنکھوں کو پرنم کر دیتا ہے۔ انہی کا ایک اور شعر بھی ملاحظہ کریں!

الارض من بعد النبی کئیبۃ ...... اسفا علیہ کثیر الاحزان

زمین آپؐ کے جانے کے بعد غم اور درد میں ڈوبی ہوئی سراپا حزن ہے۔ صدیق اکبرؓ نے اپنے غم کا اظہار یوں فرمایا:

فکیف الحیاۃ لفقد الحبیب ...... وزین المعاشر فی المشہد

اب زندگی کیسی جب حبیب ہی نہ رہا ایسا حبیب جو زینت عالم تھا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی آنکھوں سے یوں اظہار فرمایا:

فیا عینی ابکی ولا تسامحی .... حق البکاء علی السید

اے میری آنکھ تو خوب آنسو بہا اور تھکاوٹ نہ دکھا کیونکہ اپنے آقا پر آنسو بہانا لازم ہے۔

حضرت علی نے فرمایا:

فضاق فضاء الارض عنهم برحب .... لفقد رسول الله قد مضی

زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی جب یہ کہا گیا کہ حضورؐ تشریف لے گئے۔

ام المومنین حضرت عائشہ نے فرمایا:

فَمَنْ کَانَ وَ مَنْ یکون کاحمد نظام الحق ونکالٌ لِلملحد

آپ جیسا کون تھا کون ہوگا حق کا نظام قائم کرنے والا اور ملحد وں کو نکیل ڈالنے والا۔ وفات رسولؐ پر چند ہستیوں کا اظہار غم بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان عاشقان رسول کی حالت اس وقت کیا ہوگی۔

(5)...... فراق رسول اور غم بلالؓ:

آپ کی وفات کے بعد حضرت بلال ہمیشہ غم زدہ رہے۔ دور فاروقؓ میں حضرت عمرؓ سے اجازت لے کر دمشق میں جا بسے۔ ایک رات خواب میں نبی کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا بلال! ابھی بھی کیا دوری ہے کبھی ملنے بھی نہیں آئے۔ تو تڑپ کر اٹھے اور فوراً مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ مدینہ آتے ہی لوگ حضرت بلال کے گرد جمع ہوگئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو لوگوں نے اذان کی درخواست کی۔ جس پر انہوں نے معذرت کی تو لوگوں نے حضرات حسنین کریمین سے سفارش کی تو ان کی بات نہ ٹال سکے۔

آپ نے جونہی اذان کہنا شروع کی مدینے میں کہرام مچ گیا۔ اور بڑی بوڑھی عورتیں اذان بلال سنتے ہی روتیں ہوئے دروازوں سے باہر نکل آئیں۔ حضرت بلال اشهد ان محمد رسول الله کہتے ہی غم حبیب ﷺ برداشت نہ کر سکے اور بیہوش ہوگئے۔

مذکورہ بالا تذکرہ سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ بارہ ربیع الاول کو میلاد کے نام پر جو کچھ کیا جاتا ہے۔ اس کی نہ شرعاً گنجائش ہے نہ عقلاً، جب کہ سیرت رسولؐ پاک اور عشق پاک رسول کا سواں حصہ بھی ہم میں موجود نہیں۔ اس حوالے سے ایک بات قابل غور ہے کہ اذان کی ابتداء بھی ربیع الاول میں ہوئی کتنے میلاد منانے والے عاشق رسول ہیں جو اذان سنتے ہی فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوکر

MONTHLY MAGAZINE **Millia** JAMIA MILLIA ISLAMIA FAISALABAD PAKISTAN Reg.M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569

E-mail: milliafsd@hotmail.com Fax # 041-8724335